نبیلہ عزیز

وہ کب سے خیالوں کے بھنور میں ڈوبتی ابھرتی گہرے نیلے آسمان کو گھیرتے سفید بادلوں کو دیکھ رہی تھی۔ رفتہ رفتہ بادلوں کے اوپر تلے پہاڑ سے بننے لگے تھے اور مغرب کی طرف ڈوبتے سورج کی لو دیتی سنہری کرنوں سے بادل اور بھی سفید اور اجلے اجلے دکھائی دے رہے تھے۔ ماحول میں عجب سفید اور سنہرا پن بکھرا بکھرا سا محسوس ہونے لگا تھا۔ بہت سے پرندے ہواؤں سے شرارتیں کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ ہوا پودوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی فضا میں خوشبوؤں نے بسیرا کر لیا۔

وہ سیڑھیوں پہ بیٹھی بہت دیر سے یہ مناظر دیکھ رہی تھی۔

"یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" پاس سے گزرتی نمو نے رک کر پوچھا لیکن اس کی طرف سے کوئی بھی جواب موصول نہ ہوا۔ چند سیکنڈ بعد نمو واپس آئی تو اس کو ہنوز ایک ہی انداز میں بیٹھے دیکھ کر ٹھہر گئی۔ اور پھر قریب آ بیٹھی۔

"بیلی کیا سوچ رہی ہو؟" نمو نے پیار سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"سوچ رہی ہوں کہ کاش لوگوں کے دل بھی ان سفید بادلوں کی طرح اجلے ہوتے کوئی میل کوئی کثافت نہ ہوتی دل آئینوں کی طرح صاف ہوتے۔"

اس نے کہتے ہوئے حسرت بھری نظروں سے ان بادلوں کو دیکھا تھا۔ نمو اس کی بات کی گہرائی کو فوراً ہی جان گئی تھی۔

"بیلی اب سب کچھ ہماری اپنی نظر کا فریب ہوتا ہے، ورنہ بھی اجلے نہیں ہوتے اور کبھی میلے نہیں ہوتے ان بادلوں کو دیکھتے ہوئے تمہاری اپنی نظر میں اجلا پن ہے جب ہی تمہیں یہ اچھے لگ رہے ہیں اگر تمہاری نظر میلی ہوتی تو یہ لاکھ اجلے ہو جاتے تمہیں کبھی بھی اجلے نہ لگتے۔" نمو نے دلیل دی۔

"نہیں جو جیسا ہو ویسا ہی نظر آتا ہے، وہ کبھی بدل نہیں سکتا نہ نگاہ سے نہ ادا سے۔"

بیلی اپنے کہے پہ قائم تھی۔ نمو نے سر جھکا لیا پھر چند سیکنڈ بعد اس نے سر اٹھا کر بیلی کو دیکھا جو ابھی تک بادلوں کو ہی دیکھ رہی تھی اور بادل اب ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہوئے بھاگتے جا رہے تھے۔ اور یقیناً اب کہیں اور جا کر ٹھکانہ کرنا چاہ رہے تھے۔

"بیلی اپنوں کو بے گانہ سمجھنے لگو گی تو بالکل تنہا ہو جاؤ گی۔ اور اگر سب کو اپنا سمجھنے لگو گی تو تمہیں لگے گا کہ دنیا ہی تمہاری ہو گئی ہے۔ پلیز اس۔۔۔"

"میں نے بھی تو ایک "اپنے" کو ہی چاہا تھا پر "اپنوں" نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کیا صلہ دیا؟ سب نفرت کی تلواریں لے کر کھڑے ہو گئے۔ کیوں؟ کیا غلط کیا تھا میں نے؟ صرف محبت ہی تو کی تھی کیا محبت کرنا اتنا عظیم گناہ ہے کہ اپنے ہی ماں باپ منہ موڑ لیں اور اپنی اولاد کو سزا دیں؟"

نمو کی بات کو کاٹ کر وہ تنہائی دکھی اور گلوگیر لہجے میں دریافت کر رہی تھی۔ نمو اس کی آنکھوں میں تیرتا پانی دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

"پلیز بیلی! تم خواہ مخواہ ہی مما پاپا کو غلط سمجھ رہی ہو وہ تو صرف تمہاری بھلائی چاہتے تھے۔"

"میری بھلائی چاہتے تھے تو اس کو جانے کیوں دیا؟ اسے روکا کیوں نہیں۔" وہ تلخ ہو گئی تھی۔ نمو نے فوراً صفائی پیش کی۔

"مما پاپا نے روکا تھا ماموں اور پھوپھو نے بھی روکا تھا وہ کسی کی بھی بات ماننے کو تیار نہیں تھے۔" بیلی نے نمو کو شکایتی نظروں سے دیکھا۔

"آپ کیوں جھوٹ بول رہی ہیں کیا میں کچھ بھی نہیں جانتی؟" وہ اس کی بات پر یقین نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

"دیکھو بیلی۔"

"پلیز آپی کوئی بہانہ مت کریں جو ہو چکا سو ہو چکا، لیکن اب میں چاہتی ہوں ہم سب آزاد ہو جائیں میں اپنے دل پہ جبر کرلوں گی۔ باقی سب اپنی مرضی کریں۔ یہ رشتہ توڑ ڈالیں۔" وہ کہہ کے بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی۔ اسے بلی کی بات پہ شاک لگا تھا۔ وہ کافی دنوں سے رباب کو کچھ بدلا بدلا اور مرجھایا سا محسوس کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

شہاب رضوی اور احمد مرتضیٰ میں بہت گہری دوستی اور محبت کا رشتہ تھا۔ انہوں نے یہ رشتہ مضبوط کرنے کی خاطر اپنے بچوں کی نسبت طے کر دی۔ شہاب رضوی کے صرف دو بچے تھے، حسام رضوی اور عالیہ رضوی، شہاب رضوی نے اپنے بچوں کو اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کی اجازت دے رکھی تھی لیکن انہوں نے سعادت مندی سے فیصلے کا حق اپنے ماں باپ کے سپرد کر دیا تھا تب انہوں نے دونوں بچوں کی شادیاں احمد مرتضیٰ کے بیٹے اسرار مرتضیٰ اور بیٹی عائشہ مرتضیٰ سے کر دی۔ دونوں دوست وٹے سٹے کے رشتے پہ مطمئن تھے۔ ان کو اپنے بچوں پہ بھروسہ تھا۔ احمد مرتضیٰ کے چھوٹے دونوں بیٹے ابھی تک زیر تعلیم تھے۔ اسرار مرتضیٰ اپنے والد کا بزنس سنبھال رہے تھے اور یہی حال حسام رضوی کا تھا وہ بھی بزنس میں الجھ چکے تھے اور اسی الجھن میں پانچ سال گزر گئے۔

اسرار اور عالیہ تین بچوں کے ماں باپ بن چکے تھے۔ حسام اور عائشہ ابھی تک اولاد جیسی نعمت سے محروم تھے۔ عائشہ بیگم نے دن رات اس کمی پہ رو رو کر اپنا حال خراب کر لیا تھا۔ ان پانچ سال میں انہوں نے اللہ کے حضور ڈھیروں دعائیں مانگی تھیں، بہت سے ڈاکٹرز سے علاج کروایا، اور سبھی سے یہی جواب ملا۔ کہ جب اللہ کی مرضی ہو۔ احمد مرتضیٰ بھی بیٹی کے دکھ پہ بہت دکھی رہتے تھے۔ اور شہاب رضوی اور جہاں آرا بیگم بھی اپنے بیٹے کے لیے دعائیں کرتی تھیں۔ سات سال شادی کو گزرے تو عائشہ بیگم کی امیدیں دم توڑ گئیں۔ وہ ڈھے گئیں، سب ان کا حوصلہ بڑھا رہے تھے مگر وہ امیدوں کے دیار سے دامن چھڑا آئی تھیں۔

"شاید میری قسمت میں یہی لکھا تھا۔ شاید مجھے اسی طرح محروم رہنا تھا میں اپنے ساتھ ساتھ حسام کو بھی۔"

"عائشہ کیسی پاگلوں جیسی باتیں کرتی ہو جب چاہے نظر کرم کر دے اور یہ بچے، یہ بھی تو تمہارے ہی ہیں۔"

عالیہ بیگم نے بچوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ عائشہ ان کی بھابھی بھی تھیں اور نند بھی۔

"پھوپھو آپ کیوں روتی ہیں۔ میں بنوں گا آپ کا بیٹا۔" سات سالہ اوریز نے آگے بڑھ کر عائشہ کے آنسو پونچھے تو عائشہ بیگم ششدر رہ گئیں۔ اسرار مرتضیٰ کا بڑا بیٹا اوریز اپنی پھوپھی کو تسلی دے رہا تھا، مان بخش رہا تھا سب کے سب حیرت سے دیکھنے لگے۔ اسرار مرتضیٰ کو اپنے بچے پہ فخر ہوا تھا۔

"پھوپھو کیا آپ مجھے بیٹا نہیں بنائیں گی؟" اس نے یک ٹک دیکھتی عائشہ سے استفسار کیا تو عائشہ نے تڑپ کر بانہوں میں بھینچ لیا۔

"کیوں نہیں بناؤں گی، تم ہو ہی میرے بیٹے تم نے میرے دل پہ مرہم رکھ دیا ہے۔ مجھے، مجھے اب کوئی شکایت نہیں کوئی شکوہ نہیں اللہ سے بس صرف تمہاری زندگی کی دعا کرتی ہوں۔"

وہ اوریز کو بھینچ کر پھوٹ پھوٹ کے رو رہی تھیں۔ سب کی پلکیں نم ہو گئیں، اور اوریز اپنی پھوپھو کے پاس آ گیا۔ حسام رضوی بھی اس کے آنے سے بے حد خوش تھے۔ گھر میں چھایا سناٹا ٹوٹ گیا تھا اب آنسوؤں کی جگہ مسکراہٹ دکھائی دینے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اوریز، اوریز!"

"جی مما؟" وہ ریلنگ کے قریب کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"نیچے آؤ ذرا!" انہوں نے گھور کر کہا تو وہ ٹھٹک گیا۔

"جی آ رہا ہوں، یہ شرٹ تبدیل کر لوں۔" وہ شرٹ کی طرف اشارہ کر کے پلٹ گیا۔

"جی کہیے کیا حکم ہے؟" وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا انہوں نے کوئی جواب نہ دیا وہ ڈرائنگ روم کے صوفے پہ ان کے برابر آ بیٹھا۔ وہ ان کو استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"تم بلی کو سمجھاتے کیوں نہیں ہو؟" ان کا انداز اور تیور خاصے جارحانہ تھے وہ ٹھٹک گیا اور پھر سنبھل بھی گیا تھا۔

"کیوں کیا ہوا؟"

"اس کو خود چھوٹ دے رکھی ہے تم نے اور پوچھتے ہو کیا ہوا۔ آج مسز ہمدانی کے بیٹے کو مار کر آئی ہے اور اس کی سائیکل بھی توڑ کر آئی ہے، وہ ہمارے گھر آ کر سو باتیں سنا رہی تھیں۔" عائشہ بیگم حد سے زیادہ غصے میں تھیں۔

"تو اور کیا کرے، ابھی بچی ہی تو ہے بچپن میں یہ سب تو چلتا ہے، آپ کو پتا ہے جب میں لوگوں کو مارتا تھا تو—" اوریز نے کہتے کہتے اپنی دھن میں عائشہ کو دیکھا تو ایک دم بریک لگ گئے۔ وہ سخت نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں اس نے سر کھجایا۔

"وہ مما۔"

"اوریز!" انہوں نے سختی سے کہا۔ اور اس کی جگہ مثال دینے سے روکا۔

"اوکے، اوکے! میں اسے سمجھاؤں گا بلکہ ابھی سمجھاتا ہوں۔ بلی، بلی باہر آؤ۔" وہ بلند آواز سے بلی کو پکارنے لگا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ مجھے خود بھی سمجھانا آتا ہے، آئندہ میں خود دیکھ لوں گی۔" وہ کہہ کے چلی گئیں تب تک بلی وہاں آ چکی تھی۔

"ادھر آئیے محترمہ!" اس نے اپنے سامنے آنے کا کہا۔ بلی اس کے سامنے آ گئی۔

"تم نے مسز ہمدانی کے بیٹے کو کیوں مارا؟" وہ سنجیدگی کی کوشش کرتے ہوئے اپنے لہجے کو سخت بنا رہا تھا۔

"اس نے میری سائیکل روکی تھی۔" گیارہ سالہ بلی بے خوف اور واضح انداز میں بات کر رہی تھی۔

"اس نے تمہاری سائیکل کیوں روکی؟ اور سائیکل روک کے یہ کسی کو مارتے تو نہیں؟" اوریز نے گھورا۔

"وہ کہتا ہے مجھ سے دوستی کر لو۔ اور جب ہم بڑے ہو جائیں گے پھر ہم شادی کریں گے اگر مما پاپا نہیں مانے تو کورٹ میرج کر لیں گے مجھے غصہ آیا میں نے اس کو مارا اور پھر تب چھوڑا جب اس نے مجھ سے معافی مانگی۔"

بلی تحمل سے اپنا اسٹیٹمنٹ ریکارڈ کروا رہی تھی۔ اوریز بھونچکا سا دیکھتا رہ گیا۔

"تم سچ کہہ رہی ہو بلی؟"

"آپ کو پتا ہے مجھے جھوٹ اچھا نہیں لگتا۔"

وہ تلے لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"پھر تو تم نے بالکل ٹھیک کیا اب اس ڈیل کو میں دیکھ لوں گا۔ شاباش! تم یہ لو چاکلیٹ اور ہاں اب اگر ایسی بات کرے تو ہاتھ پاؤں توڑ دینا بے غیرت کے۔"

اوریز نے چاکلیٹ نکال کر دی اور بلی مسکرا اٹھی۔

"اور ہاں مما کو مت بتانا ورنہ وہ میری کلاس لیں گی۔" اس نے بلی کو تنبیہہ کی وہ سر ہلا کر چلی گئی تھی۔

"اوہ تو یہ کام آپ کی شہ پہ ہو رہے ہیں۔" نمرو اور شمو اچانک نمودار ہوئیں تو اوریز سٹپٹا گیا۔

"آہستہ بولو مما سن لیں گی۔" اس نے رعب سے کہا۔

"بھائی کیوں اس کو بگاڑ رہے ہیں، مما کتنی پریشان ہوتی ہیں آپ سمجھانے کی بجائے الٹا اس کی پیٹھ ٹھونک رہے ہیں۔" شمو نے خفگی کا اظہار کیا۔

"پگلی! اس نے جو کچھ کیا بہت اچھا کیا۔ اس نے ایک لڑکے کی بدتمیزی پر اسے مار کر سبق سکھا دیا تو کیا میں یہ کہوں کہ وہ برا کر کے آئی ہے۔ آج اگر میں اسے روکوں گا تو آئندہ بھی چاہے کوئی اسے تنگ کرتا رہے وہ اسے کچھ نہیں کہہ پائے گی اس لیے بہتر ہے کہ اس کو یہ احساس دلاؤں کہ وہ برے کو سزا دے سکتی ہے اپنا بچاؤ کر سکتی ہے اسے پورا اختیار ہے بلکہ ہر لڑکی کو ہونا چاہیے، جو بات سے نہ سمجھے اسے ہاتھ سے سمجھا دو۔"

اوریز ان کے سروں پہ چپت لگا کر چلا گیا تھا۔ نمرو اور شمو ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

آویز کے آنے کے ایک سال بعد ہی عائشہ بیگم کے آنگن میں شمو آگئی یوں وہ لوگ بہت خوش تھے' جب انہوں نے امید سے تعلق توڑ لیے تھے' جب سسک سسک کر رونا چھوڑ دیا تو ان کی گود بھر گئی۔ شمو ابھی ایک سال کی ہوئی تھی کہ نمو نے آکر رونق میں اضافہ کر دیا تھا۔ عائشہ بیگم آویز کو بہت خوش بخت سمجھتی تھیں' جس نے پہلے اپنے وجود سے اور پھر بہنوں کے وجود سے ان کے آنگن کا سناٹا دور کر دیا تھا۔ آویز کو بھی شمو اور نمو سے بہت محبت تھی وہ بھی ان سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف رہتا تھا لیکن جب وہ چودہ سال کا ہوا تو پھوپھو نے رباب کو جنم دیا اور آویز کے تو گویا دل کی مراد بر آئی تھی آویز نے ہی اس کا نام "رباب" تجویز کیا۔ کوئی بھی اس نام کو رد نہ کر سکا اور یوں رباب بجلی بن گئی۔ وہ بجلی سے بہت اٹیچ تھا اس کی ذرا سی تکلیف پہ تڑپ اٹھتا تھا اور عائشہ بیگم سے زیادہ بجلی کی کیئر کرتا تھا۔ وہ ضدی اور ہٹ دھرم سی بجلی کھلونا آویز کے لیے ایک دلچسپ کھلونا تھی۔ وہ اسے تنگ کر کے خوش ہوتی اور وہ اس کی معصوم ضدوں سے تنگ ہو کر خوش ہوتا تھا۔ اس کی ہر بات مان لیتا اس کی ہر ضد پوری کرتا تھا اور باقی سب اس کو روکتے رہ جاتے تھے۔

"آویز، تم اسے بگاڑ رہے ہو۔" عائشہ بیگم اکثر کہتیں۔

"اگر بگڑ گئی تو سنوار بھی میں ہی لوں گا۔ جو بگاڑنا جانتے ہیں ان کو سنوارنا بھی آتا ہے۔" وہ لاپروائی سے دلیل دیتا تو وہ چپ ہو جاتیں۔

رفتہ رفتہ بجلی کی ضدیں پروان چڑھ گئیں۔ وہ منہ زور اور منہ پھٹ ہو گئی تھی اس پہ بھی آویز کو کوئی اعتراض نہیں تھا وہ سمجھتا تھا کہ سچ بیان کرنا چاہیے۔ چاہے وہ کتنا ہی کڑوا کیوں نہ ہو۔ اور بجلی آویز کے ہی عمل کرتی تھی کیونکہ وہی اس کے زیادہ قریب تھا۔

☼ ☼

"ہیلو ایوری باڈی۔" مبشر نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہوئے بلند آواز سے کہا وہ سب چونک گئیں۔

"ہائے مبشر بھائی ہاؤ آر یو؟" بجلی نے دور سے ہی خوش دلی سے کہتے ہوئے ہاتھ لہرایا۔ البتہ شمو وہاں سے کھسک گئی۔

"کیا ہو رہا تھا؟" اس نے نمو کی مصروفیت کو دیکھا۔ وہ لکڑی کے گول فریم میں کپڑا لگائے موتی ٹانک رہی تھی۔ شمو بھی یہی کام کر رہی تھی۔ لیکن مبشر کو دیکھ ادھورا چھوڑ کر چلی گئی۔

"عنقریب ہونے والی شادیوں کے لیے اپنے پسندیدہ ڈریس بنا رہی ہیں۔" نمو نے مسکرا کر وضاحت دی۔

"یہ کیوں نہیں بناتی؟" اس نے بجلی کی طرف اشارہ کیا وہ چپس کھاتے ہوئے ناگواری سے گردن ہلانے لگی۔

"اتنی محنت مجھ سے نہیں ہوتی' مارکیٹ جاؤں گی اور ان سے زیادہ خوبصورت ڈریس لے کر آؤں گی۔" وہ اپنے شاہانہ انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کر رہی تھی۔ مبشر مسکرا دیا۔

"اتنی ہٹی کٹی ہو تھوڑی سی محنت کر بھی لو تو کوئی خاص فرق نہیں پڑنے والا' آخر اتنا کھاتی ہو۔" مبشر اسے چھیڑ رہا تھا۔ نمو بھی مسکرانے لگی۔

"میں ہٹی کٹی ہوں تو آپ کو کیا تکلیف ہے' آپ اپنی فکر کریں۔" وہ چوٹ کر رہی تھی۔ مبشر قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"آپ کیا لیں گے؟" نمو سب کچھ سمیٹ کر کھڑی ہو گئی۔

"تم بیٹھو اپنا کام کرو میں خود جا کر کہہ دیتا ہوں۔" مبشر بہت آرام سے کہتا کچن کی سمت بڑھا۔

"بات سنیں مبشر بھائی!" بجلی نے پیچھے سے آواز دی۔

"ہاں کہو۔" وہ ٹھہر گیا۔ کچن میں جانے کو سخت بے قرار ہو رہا تھا۔

"آویز بھائی آج گھر پہ ہی ہیں۔"

"کیا؟"

بجلی کی اطلاع پہ مبشر سچ مچ بوکھلا گیا اور پھر کچن میں جانے کا ارادہ ترک کر کے دوبارہ صوفے پہ آبیٹھا اور نمو سے مخاطب ہوا۔

"پلیز ایک گلاس جوس منگوا دو۔" نمو اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے اٹھی اور اندر شمو کے پاس چلی گئی۔ بجلی نے دونوں ہاتھ جھاڑے چپس کا پیکٹ ڈسٹ بن میں پھینکا اور اپنے جاگرز کسے باہر جانے کو لپکی۔

"کہاں جا رہی ہو بجلی؟" مبشر تنہائی کے خیال سے بول پڑا۔

"میں ذرا نوشی کی طرف جا رہی ہوں اور ہاں آویز بھائی گھر پہ نہیں ہیں۔" اس نے کہتے ہی باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔

"بجلی!" مبشر چیخ اٹھا اور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ مبشر بجلی کے چھوٹے ماموں اظہار مرتضیٰ کا بیٹا تھا اور چند ماہ پہلے ہی شمو اور مبشر کی انگیجمنٹ ہوئی تھی۔ دونوں اک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور مبشر تو اکثر ہی موقع کی تلاش میں رہتا تھا کہ شمو سے کسی نہ کسی طرح بات ہو سکے اور آج بجلی کی وجہ سے اس کی ملاقات کا چانس ختم ہو گیا تھا۔ وہ دونوں اندر کھڑی ہنسی سے بے حال ہو رہی تھیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے کیوں دانت نکالے جا رہے ہیں؟" مبشر کچن کی چوکھٹ میں آکر تقریباً جل کر بولا تھا۔

"آپ کی ذہانت اور عقل پر آپ کو داد دی جا رہی ہے کہ اک بچی سے بے وقوف بن گئے کیا آپ نے گیراج میں آویز بھائی کی گاڑی دیکھی تھی؟" نمو نے مذاق اڑایا تو مبشر کو بدحواسی کا اعتراف کرنا پڑا۔

"کچھ بھی ہو اس بجلی کی بچی کو چھوڑوں گا نہیں بدلہ ضرور لوں گا۔" اس نے عزم سے کہا اور نمو کھلکھلاتی ہوئی کچن سے باہر نکل آئی۔

"آپ کیوں بار بار آتے ہیں' مجھے اچھا نہیں لگتا اگر کچھ ہی عرصہ بعد شادی بھی ہے آویز بھائی نے بھی دیکھ لیا تو کیا سوچیں گے۔" شمو نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"یار ایک تو تم لوگوں نے اپنے بھائی کو ہوا بنا رکھا ہے یہ ہو گا وہ ہو گا اور..."

"شمو جلدی پانی لے کر آؤ بہت پیاس لگی ہے۔" عائشہ بیگم کی آواز پہ مبشر بھی سٹپٹا گیا تھا اور شمو جگ لے کر ہوا ہو گئی۔ عائشہ بیگم ابھی ابھی مارکیٹ سے لوٹی تھیں۔ آج کل ان کے بازاروں کے چکر لگ رہے تھے اور بہن کا فرض ادا کرنے کی دھن میں آویز بھی دن رات ہر کام کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا تھا اس وقت بھی وہ آفس کے بعد عائشہ بیگم کو لے کر جیولر کی شاپ پہ گیا ہوا تھا جہاں آرا بیگم بھی ہمراہ تھیں۔

"ارے مبشر بیٹا تم کب آئے؟" عائشہ بیگم خوش دلی سے کہتے ہوئے کھڑی ہو گئیں۔

"بس پھپھو میں ابھی ابھی آیا ہوں کہ آپ بھی آگئیں۔" اس نے حسرت سے کہتے ہوئے ڈرائنگ روم سے باہر نکلتی شمو کو کن انکھیوں سے دیکھا۔

"ارے مبشر آیا ہے۔" آویز اندر داخل ہوا تو اس کو دیکھ کر بشاشت کا مظاہرہ کیا۔

"جی میں آیا ہوں۔" وہ سہلا کر بولا۔ انداز دھیما تھا۔ لیکن شمو کی ہنسی نہیں تھم رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ تم آج کالج نہیں گئیں؟" آویز لنچ کرنے گھر پہنچا تو نمو کو کچن میں کھڑے روٹیاں بناتے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس وقت عائشہ بیگم بناتی تھیں اور آج خلاف توقع نمو کو دیکھ کر تشویش ہوئی۔

"آپ کو کسی کی کیا خبر کوئی مرے یا جیے آپ کو تو تب خبر ہو گی جب آپ کی "رباب صاحبہ" کو کچھ ہو گا۔" نمو نے شکوہ کیا اور یہ شکوہ تو اکثر ہی شمو اور نمو دونوں کرتی تھیں کہ آویز ان سے اتنی محبت نہیں کرتا جتنی بجلی سے کرتا ہے۔

"تم دونوں پگلی ہو میری نظر میں تم تینوں برابر ہو' بس اتنا فرق ہے کہ وہ چھوٹی ہے اور اس کی کیئر زیادہ کرنی پڑتی ہے۔ اور تم دونوں بڑی ہو سمجھ دار ہو اس لیے مجھے فکر نہیں ہوتی خیر چھوڑو اس بات کو۔ کیا ہوا

تھا تمہیں؟‘‘ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔
’’رات بخار ہو گیا تھا اور پھر صبح تک سر درد کرتا رہا اس لیے کالج نہیں جا سکی۔‘‘
’’مما کہاں ہیں؟‘‘ اس نے اپنے مطلب کی بات پوچھی گھر میں داخل ہوتے ہی وہ سب سے پہلے مما کا پوچھتا تھا۔
’’بڑے ماموں کی طرف گئی ہیں۔ بھابی کی طبیعت خراب تھی۔‘‘ نمو نے آویز کے والد اسرار مرتضیٰ کا ذکر کیا۔ آویز سے چھوٹے سمیر کی بیوی ایڈمٹ تھی۔ اس لیے انہوں نے عائشہ بیگم کو بلایا تھا۔
’’اور وہ تمہیں یونہی بیمار چھوڑ کر چلی گئیں ڈاکٹر کو بھی نہیں دکھایا۔ چلو چھوڑو یہ کام میں تمہیں لے چلتا ہوں۔‘‘ آویز کرسی کھسیٹ کر اٹھنے لگا جب نمو نے فوراً روک دیا۔
’’نہیں نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں صبح چائے کے ساتھ میڈیسن بھی لی تھی تب ہی تو اس وقت آپ کو کام کرتی نظر آ رہی ہوں۔ آپ کھانا کھائیں سب کچھ تیار ہے۔‘‘
اس نے کھانا ٹیبل پہ لگوایا۔
’’شمو نہیں آئی؟‘‘ آویز نے نوالہ توڑنے سے پہلے پوچھا۔
’’نہیں اس نے آج پیپر کے بعد لائبریری بھی جانا تھا اور پرنسپل سے بھی ملنا تھا۔‘‘ نمو اپنی پلیٹ میں سالن نکال رہی تھی۔
’’اور دھماکے دار سرکار؟‘‘ آویز نے بیلی کا پوچھا تو نمو مسکرائی۔
’’بھی دھماکے دار چیزوں کا ذکر نہیں کرتے کسی وقت بھی دھماکہ ہو سکتا ہے۔‘‘ حسام رضوی بھی ہاتھ دھو کر اندر آ چکے تھے۔ آویز کی بات کا جواب دیتے ہوئے کرسی پہ بیٹھے تو نمو اور آویز دونوں ہی ہنس پڑے۔ ابھی وہ لوگ باتوں میں مصروف تھے کہ باہر دھماکے کی آواز سنائی دی۔
’’[illegible] آ گئی ہیں۔‘‘ نمو نے آویز کو مطلع کیا وہ بھی یہ آواز سن چکا تھا۔
’’میرے کپڑے!‘‘ اس نے ڈرائنگ روم سے ہی آواز دے کر کہا۔
’’باتھ روم میں لٹکا آئی ہوں بدل لو۔‘‘ نمو نے بھی وہیں بیٹھے بیٹھے جواب سے نوازا۔
’’پہلے مجھے کھانا دو بھوک لگی ہے۔‘‘ بیلی کو جب معلوم ہو گیا کہ کپڑے تیار ہیں تو اس کا موڈ بدل گیا۔
’’پہلے کپڑے تبدیل کر لو میں کھانا لگاتی ہوں۔‘‘
’’تمہیں مجھے پہلے کھانا کھانا ہے، پھر کپڑے تبدیل کروں گی۔‘‘ وہ کہتے ہوئے کچن میں آئی اور آویز کے ساتھ ساتھ حسام رضوی کو بھی دیکھ کر ٹھٹک گئی۔
’’جاؤ پہلے یونیفارم تبدیل کر کے آؤ۔‘‘ آویز نے سنجیدگی سے حکم دیا تو وہ شرافت سے پلٹ گئی اور تھوڑی دیر بعد کپڑے تبدیل کیے کھانے کی ٹیبل پہ موجود تھی۔
’’مما کہاں ہیں؟‘‘ خلافِ معمول ان کی جگہ نمو کو دیکھ کر پوچھنا ہی پڑا۔
’’بڑے ماموں کی طرف گئی ہیں۔‘‘ نمو اس کے لیے سالن نکالنے لگی بیلی خود گلاس میں پانی انڈیل رہی تھی۔
’’کیوں؟‘‘ اس نے یونہی سرسری لہجے میں پوچھ لیا۔
’’نادیہ بھابی کی طبیعت خراب تھی کیا؟‘‘ نمو نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ فون کی بیل ہونے لگی۔
’’السلام علیکم۔‘‘ اس نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔
’’مبارک ہو بیٹا تم چاچو بن گئے ہو سمیر کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔‘‘ عائشہ بیگم دوسری طرف چہک رہی تھیں۔
’’خیر مبارک آپ لوگ کون سے اسپتال میں ہیں؟‘‘ وہ ایڈریس لکھنے لگا اور پھر اس نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے حسام رضوی اور بیلی کو بتایا۔
’’سمیر کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔‘‘ اس نے مسکرا کر کہا۔
اور بیلی نے شور مچا دیا کہ اس نے ابھی اسپتال جانا ہے۔

’’دیکھو بیلی! مما نے کہا ہے کہ جس نے بھی آنا ہو وہ شام کو آئے ابھی ڈاکٹرز نے ملنے سے منع کیا ہے۔ اور کافی رش بھی ہے۔‘‘ اس نے بیلی کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ پاؤں پٹخ کے واویلا کر رہی تھی۔
’’مجھے کچھ نہیں سننا مجھے ابھی اسپتال جانا ہے۔‘‘ وہ اپنی ضد پہ قائم تھی اور آویز اسے سمجھاتے سمجھاتے غصے میں آ گیا۔
’’شٹ اپ آرام سے بیٹھو! کہا تو ہے شام کو چلیں گے۔‘‘ اس کی تیز آواز پہ بیلی تھم گئی اور پھر بھاگتی ہوئی منظر سے لوجھل ہو گئی آویز خفگی سے دیکھتا ہوا باہر نکل گیا اسے آفس میں کام تھا۔

☼ ☼ ☼

شام کو شمو نمو حسام رضوی اور آویز مرتضیٰ جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ لیکن بیلی نظر نہیں آ رہی تھی۔
’’بیلی کہاں ہے اسے بھی بلاؤ نا۔‘‘ حسام رضوی نے کہا تو نمو نے آویز کو دیکھا۔
’’میں بلانے گئی تھی وہ کہتی ہے اسے نہیں جانا آپ چلے جائیں۔‘‘
’’ارے کیوں نہیں جانا گھر پہ اکیلی کیسے رہے گی؟‘‘ آویز کو حیرت ہوئی وہ دن کی بات بھول چکا تھا اسی لیے اسے بلانے بھی چلا آیا۔
’’بیلی کیوں چھوٹی چھوٹی باتوں پہ ضدیں باندھ لیتی ہو نادیہ بھابی نے خود دوبارہ فون کیا تھا۔ میں تمہیں صبح ہی لے جا سکتا تھا لیکن ایک بزنس میٹنگ کا ٹائم طے ہو چکا تھا اس لیے اگر لیٹ ہوتا تو سب کے سامنے شرمندگی اٹھانا پڑتی اور تم ــــ‘‘ وہ خفگی کا اظہار کرنے لگا کچھ کچھ جھنجھلایا ہوا تھا۔
’’آپ کو برا لگا۔‘‘ وہ معصومیت سے گویا ہوئی آویز لاجواب ہو گیا۔
’’نہیں یار میں یہ نہیں کہتا کہ تم ضد نہ کرو۔ تم ضد کرو لیکن اس بات پہ کرو جس پہ باقی لوگوں کو اعتراض نہ ہو اس بات پہ کرو جو آسانی سے پوری کر سکوں اور جو باقی سب بھی مان جائیں۔‘‘ آویز نے اس کو سمجھانے کی اک ادنیٰ سی کوشش کی۔
’’لیکن جو بات سب مان جائیں پھر اس پہ تو ضد ہو ہی نہیں سکتی ضد تو اسی بات پہ ہوتی ہے جس کو کوئی نہ مانے جس کو کوئی بھی پورا نہ کرنا چاہے۔‘‘ بیلی کے جواب پہ آویز مرتضیٰ چند لمحے بس اسے دیکھتا رہ گیا۔ اسے بیلی سے اس قدر گہرائی کی امید ہرگز نہ تھی۔
’’لیکن یار صرف مجھ سے کہو تاکہ اب تمہارے نہ جانے کی وجہ سے نادیہ بھابی کو کتنا برا لگے گا۔‘‘ بیلی اس کی بات پہ سوچنے لگی۔
’’ٹھیک ہے میں چلتی ہوں۔‘‘ وہ شرارت سے بولی۔
آویز نے شکر ادا کیا تھا نادیہ اور بچے کو ڈسچارج کر کے گھر بھیج دیا گیا تھا اور جب وہ سب پہنچے تو رونق میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔
’’کیا آویز اس دم چھلے کے بغیر نہیں آ سکتا تھا؟‘‘ بیلی کے سب سے چھوٹے ماموں نثار مرتضیٰ کی بیٹی رمشہ نے ناگواری سے کہا تو سمیر سے چھوٹی سارہ نے حیرت سے اپنی چچا زاد کے چہرے پہ پھیلی ناگواری کو دیکھا۔
’’کیا مطلب ’آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں؟‘‘ سارہ کو اعتراض ہوا۔
’’میرا مطلب ہے کہ اس گھر میں پہلی بار خوشی آئی ہے اور آویز اس بچے کا بڑا چچا ہے صبح سے نہیں آیا بھائی کے بیٹے کا خیال نہیں کیا اب وہ آئی ہے تو وہ بھی آیا ہے یعنی وہ زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔‘‘ رمشہ نجانے کیا جتانا چاہ رہی تھی۔
’’ہاں تو اور کیا وہ ان کی چھوٹی بہن ہے اس کی کیئر وہ نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔ ہم سے زیادہ ان کا حق ہے آویز بھائی پہ۔‘‘
’’اونہہ چھوٹی بہن اور حق۔‘‘ رمشہ کہہ کے وہاں سے ہٹ گئی اور سارہ الجھنے لگی اسے رمشہ کی بات کافی بری لگی تھی۔
آویز نے بچے کو گود میں لے رکھا تھا بگ جنریشن کو

کھلونا ہاتھ آچکا تھا۔
"اس کا نام کیا رکھا ہے؟" بیلی نے ذرا ٹھہر کر بھابھی سے پوچھا۔
"ثمر رکھو۔" وہ اسے اجازت دے رہی تھیں۔
"ہائیں!" اس نے مسکرا کر کہا۔ اور پھر سب نے ہی سراہا۔
"بہت اچھا ہے یہ نام۔" جہاں آرا بیگم کو بھی پسند آیا جو تین روز سے "مرتضیٰ لاج" میں تھیں۔
"چلو دادی نے پسند کر لیا تو سب نے پسند کر لیا۔" آویز ہنس دیا۔ بیلی کو نام منتخب ہو جانے پہ خوشی ہو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسرار مرتضیٰ کے تین بیٹے "آویز، سمیر اور ظہیر تھے اور دو بیٹیاں سارہ اور عمارہ تھیں۔
آویز "مرتضیٰ لاج" سے جا چکا تھا اس لیے "مرتضیٰ لاج" میں بڑا بیٹا سمیر کو ہی سمجھا جاتا تھا اسی لیے اس کی شادی بھی پہلے کر دی گئی تاکہ گھر میں بہو آسکے۔ نادیہ، سمیر کی اپنی پسند تھی اور کافی اچھی لڑکی تھی۔ کسی نے بھی شادی پہ اعتراض نہیں کیا تھا۔ ان سے چھوٹے افتخار مرتضیٰ کے دو بیٹے، مبشر اور مدثر اور دو بیٹیاں رامین اور زرین تھیں۔ مبشر کی منگنی اپنی پھوپھی کی بڑی بیٹی ثمو سے ہو چکی تھی اور ثمو کے پیپر ختم ہونے کے بعد شادی کا ارادہ تھا۔ سب سے چھوٹے نثار مرتضیٰ کا ایک بیٹا رامش اور دو بیٹیاں رمشہ اور ناجیہ تھیں رامش اور زرین کی شادی بھی ثمو اور مبشر کے ساتھ ہی ہونا تھی' البتہ رمشہ اپنے سب سے بڑے کزنز آویز مرتضیٰ پہ دل و جان سے فدا تھی وہ آویز کا پل پل انتظار کرتی تھی لیکن وہ "مرتضیٰ لاج" کبھی کبھار ہی چکر لگاتا تھا۔ جس پہ رمشہ کو بڑا اعتراض ہوتا اور غصہ بھی آتا تھا لیکن جب بھی آتا بیلی اس کے ساتھ ضرور ہوتی اسی وجہ سے رمشہ کو بیلی کا ہر وقت آویز کے ساتھ چپکے رہنا ناگوار گزرنے لگا تھا اسے بیلی پہ آویز کا اس قدر پیار لٹانا برا لگنے لگا تھا۔ پہلے وہ یہ ناگواری دل میں دبائے رکھتی مگر اب ڈھکے چھپے انداز میں اظہار بھی کرنے لگی تھی۔ لیکن اس کا اظہار کسی کو بھی اچھا نہ لگا۔ وہ لوگ الٹا رمشہ کو گھورنے لگتے تھے اور رمشہ نے بھی طنز کے تیر اب بیلی کی سمت موڑ دیے تھے بیلی ناسمجھ تو تھی مگر پھر اگنور کر جاتی اسے رمشہ کی باتوں کا مفہوم سمجھ نہیں آتا۔

☼ ☼ ☼

"آویز میں صاف صاف پوچھ رہی ہوں آخر تمہارے ارادے کیا ہیں؟" عائشہ بیگم نے سختی سے کہا تو آویز نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔
"سویٹ مام! میرے ارادے آج بھی وہی ہیں جو میں نے آپ کو پہلے ہی بتا دیے تھے۔ میں اپنی بہنوں کے فرض سے فارغ ہوئے بنا اپنی شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتا' جب میں ان تینوں کے فرض سے آزاد ہو گیا پھر خود آپ سے کہوں گا کہ مام میری شادی کر دیں۔" وہ آخر میں شرارت سے بولا۔
"وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن بیٹا بیلی ابھی چھوٹی ہے اور اس کی شادی کی جلدی بھی نہیں ہے' تم کیا اس کے فرض سے فارغ ہونے کے لیے انتظار کرو گے؟"
"ہاں کیوں نہیں بیلی کے رخصت ہوتے ہی آپ میرے لیے لڑکی ڈھونڈ لیجیے گا۔" وہ لاپروائی سے بولا۔
"لیکن آویز میں چاہتی ہوں ثمو کو رخصت کر کے تمہاری دلہن لے آؤں ایک وقت میں دو ارمان پورے ہو جائیں گے۔"
"ارے نہیں مام آپ کو ایک وقت میں ایک ارمان پورا کرنا ہے وہ بھی بھرپور طریقے سے۔ آپ آرام سے ثمو کی شادی پہ توجہ دیں' وقت کم ہے۔" اس نے عائشہ بیگم کو بہلایا۔
"آویز! سمیر تم سے چھوٹا ہو کر باپ بھی بن گیا اور تم...؟"
"اوہ مام! یہ بھی کوئی مقابلہ بازی ہے؟" آویز قہقہہ لگاتے ہوئے ان کو بانہوں میں گھیر لیا۔

"آپ فکر نہ کریں میں بہت جلد دادا بن کے دکھاؤں گا۔" اس کی شرارت پہ وہ خفگی سے دیکھتی اٹھ گئیں اور آویز بہت دیر تک دل کھول کے ہنستا رہا۔
"ہائے۔" بیلی نجانے کدھر سے آ کر آویز کے پاس صوفے پہ دھپ سے بیٹھ گئی۔
"بہت خوش لگ رہے ہیں؟" وہ چپس کھاتے ہوئے دلچسپی سے دیکھنے لگی۔
"بس یار مما کی باتوں پہ ہنس رہا ہوں' مائیں کتنی معصوم ہوتی ہیں۔" "میرا تو خیال ہے مائیں چالاک ہوتی ہیں۔" بیلی آنکھیں مٹکا کے بولی۔ آویز کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔
"بدتمیز سب کو اپنے جیسا سمجھتی ہو۔"
"یعنی کہ میں چالاک ہوں؟" وہ آویز کو گھورتی ہوئی اس پہ جھپٹ پڑی اور ڈرائنگ روم کی چوکھٹ میں کھڑی رمشہ کا دل شعلوں میں گھر گیا۔ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔
"کیا آپ لوگ گھر میں ہر وقت یہی کچھ کرتے رہتے ہیں؟" وہ اندر آ گئی بیلی اور آویز نے رک کر اسے دیکھا۔
"رمشہ تم کب آئیں؟" وہ اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔
"تھوڑی دیر پہلے آئی ہوں۔ آپ سنائیں کیسے ہیں گھر کا چکر ہی نہیں لگاتے۔ کیا آپ کو اپنے مما پاپا کی یاد نہیں آتی؟" رمشہ شاپنگ بیگ سائیڈ پہ رکھ کے ان کے مقابل صوفے پہ براجمان ہو گئی۔
"بھئی میں اپنے گھر میں ہوں اور اپنے مما پاپا کے پاس ہوں اس سے آگے میں کچھ نہیں جانتا۔" وہ نپے تلے لہجے میں بولا تو رمشہ لب بھینچ گئی۔ بیلی لاپروائی سے بیٹھی آویز کے موبائل کو چھیڑنے لگی اور سامنے بیٹھی رمشہ کو اس کی حرکتیں بے حد بری لگ رہی تھیں۔
"ہم شاپنگ کرنے کب چلیں گے؟" اس نے آویز کو شرٹ سے کھینچ کے متوجہ کیا۔
"مایوں سے ایک روز پہلے۔" وہ کہہ کے کھڑا ہو گیا اور والٹ اور موبائل لے کر جیب میں رکھنے لگا۔
"آپ لوگ بیٹھیں میں ثمو کو دیکھتا ہوں۔" وہ وہاں سے نکل گیا۔
"یہ کیا ہر وقت بچی بنی رہتی ہو۔" رمشہ نے اسے گھورا۔
"چپس کھانے سے بچی بن جاتے ہیں؟" وہ شرارت سے بولی۔
"جی تو میں کہہ رہی ہوں چپس کھانے سے تم بچی نہیں بن سکتیں۔ تم ایک جوان لڑکی ہو تمہیں یوں لڑکوں کے ساتھ چپک کے بیٹھنا زیب نہیں دیتا' بلکہ تمہیں خود شرم آنی چاہیے ہمارے ہاں لڑکوں کے ساتھ اس انداز کو پسند نہیں کیا جاتا تم تو پھر بڑی ہو چکی ہو۔" رمشہ کو اپنا غبار نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔
"لیکن وہ کوئی غیر تھوڑی ہیں وہ تو میرے بھائی ہیں۔"
"اونہہ اتنی معصوم مت بنو بیلی بھائی صرف وہی ہوتا ہے جو آپ کا ماں جایا اور آپ کے باپ کا خون ہو اس کے علاوہ کوئی بھی بھائی نہیں ہو سکتا چاہے وہ کتنا ہی اپنا کیوں نہ ہو۔" رمشہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کر رہی تھی اور وہ حیرت اور بے یقینی سے رمشہ کی صورت دیکھے جا رہی تھی بچپن سے ہی ثمو، ثمرہ اور بیلی کو علم ہو گیا تھا کہ آویز اسرار ماموں کا بیٹا ہے اور عالیہ بیگم کے حوالے سے پھوپھی کا بیٹا بھی ہے' پھر بھی ان بہنوں نے اس بات کا کبھی نوٹس نہیں لیا تھا۔ ہمیشہ اسے سگا بھائی سمجھا تھا اور آویز نے بھی کبھی ان کو یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ ان کا ماں جایا نہیں ہے مگر رمشہ نجانے کس رنگ میں بات کر رہی تھی بیلی کو کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا لیکن ذہن ضرور کھٹک گیا تھا۔
"اور اپنا حلیہ دیکھا ہے تم نے کبھی۔ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھو تو دوپٹے کی ضرورت محسوس ہو گی تمہیں!"
رمشہ اس پہ ایک کاٹ دار نگاہ ڈال کر اٹھی اور اپنے شاپنگ بیگ اٹھا کر باہر نکل گئی وہ صرف آویز کے لیے یہاں آئی تھی وہی چلا گیا تھا تو اب رکنے کا کیا فائدہ

بلی اپنی جگہ پہ الجھی سی بیٹھی اپنے حلیے کو دیکھ رہی تھی ڈھیلا سا نیوی بلو ٹراؤزر اور ٹی شرٹ پہنے وہ ہمیشہ کی طرح کم سن بچی ہی لگ رہی تھی لیکن رمشہ تو نجانے کیا کیا احساس دلا گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

زرین اور ثمو کے پیپرز ختم ہوتے ہی شادیوں کے ہنگامے جاگ اٹھے شادی کی تیاریاں جو پہلے سست رفتاری سے چل رہی تھیں اب زور پکڑ گئیں "مرتضیٰ لاج" اور "رضوی ولا" میں رونقیں عروج پہ تھیں کوئی ادھر آ رہا تھا اور کوئی ادھر جا رہا تھا۔ "رضوی ولا" میں صرف ثمو کی شادی تھی البتہ "مرتضیٰ لاج" میں دو شادیاں تھیں اس لیے زیادہ رش بھی وہیں تھا سب سے پہلے ثمو اور مبشر کی شادی طے پائی تھی اور دوسرے روز زرین اور رامش کی شادی تھی۔

آج مہندی کی رسم تھی۔

"آویز بھائی کیسی لگ رہی ہوں میں؟" وہ تیار ہو کر نکلی تو آویز اپنے کمرے سے آ رہا تھا۔ بلی کی آواز پہ تھم گیا۔

"بہت پیاری!" وہ اس کا گال تھپک کر نیچے اتر گیا اور پھر ثمو کے کمرے میں موجود تمام کزنز بلی کو دیکھ کر عش عش کر اٹھی تھیں وہ آج پہلی بار اس طرح تیار ہوئی وہ سب سے منفرد نظر آ رہی تھی۔

"بچی دوپٹا ٹھیک سے اوڑھو۔" جہاں آرا بیگم (دادی) نے تنبیہ کی تو بلی ٹھٹک گئی۔ وہ مہندی لے کر "مرتضیٰ لاج" گئے اور کافی دیر تک رسمیں کرتے رہے۔ گانوں کا مقابلہ ہوا لڑکے مل کر بھنگڑا ڈالتے رہے پھر وہ لوگ مہندی کی رسم کرنے "رضوی ولا" آئے۔ گھر بھر میں ہجوم اور ہنگامہ جاری تھا۔ لڑکیاں رات دیر تک ثمو کے ہاتھوں پیروں پہ مہندی کے نقش و نگار بناتی رہیں اور نیند کے ہاتھوں مجبور بلی ہر کمرے میں سونے کے لیے جگہ تلاشتی رہ گئی تھی اور جب تھک ہار کر نیند سے بند ہوتی آنکھوں سے ایک کمرہ خالی دیکھ کر صوفے پہ گر گئی۔ اسے آگے پیچھے کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ رات بھر اگلے دن کی تیاریوں میں مصروف رہنے کے بعد آویز صبح کے قریب بیڈ روم میں داخل ہوا تو بلی کو صوفے پہ آڑا ترچھا پڑے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"بلی! بلی!" اس نے پکارا مگر وہ گہری نیند میں تھی۔ ایک ہاتھ نیچے لٹک رہا تھا۔ آویز قریب آیا اور بلی کا احتیاط سے ہاتھ اوپر کر کے نرمی سے اس کا گال تھپکا اور اس پہ کمبل ڈال کر خود شاور لینے کی غرض سے باتھ روم میں چلا گیا۔

"آویز! حسام کدھر ہے؟" باہر سے جہاں آرا بیگم کی آواز سنائی دی تب تک آویز کمرے سے باہر نکل چکا تھا۔

"... اوپر کپڑے چینج کرنے گئے ہیں۔" آویز کہہ کے آگے بڑھ گیا تھا ابھی فجر کا وقت تھا جہاں آرا بیگم لڑکیوں کو نماز کے لیے اٹھانے لگیں اور پھر بلی کو نہ پا کر ان کو تشویش بھی ہوئی۔

"بلی کہاں ہے؟" انہوں نے عائشہ بیگم سے دریافت کیا۔

"سو رہی ہو گی کہیں!" وہ کہہ کے نیچے آ گئیں جہاں آرا بیگم مطمئن نہ ہوئی تھیں۔ انہوں نے ہر جگہ دیکھ لیا مگر وہ نہ ملی وہ دوبارہ اوپر آئیں تو بلی ان کو آویز کے کمرے سے نکلتی ہوئی دکھائی دی۔

"تم کہاں تھیں میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں؟" ان کی سانس ناہموار تھی۔

"سو رہی تھی ابھی اٹھی ہوں۔" اس نے آنکھیں مسل کر کہا۔ اس پہ ابھی بھی نیند غالب تھی۔ وہ تو آویز کے سائیڈ ٹیبل پہ دھرے کلاک کا الارم نجانے کس نے سیٹ کر رکھا تھا کہ نماز کے وقت بج اٹھا اور بلی کی آنکھ کھل گئی۔

"کہاں سو رہی تھیں؟" جہاں آرا بیگم کا ماتھا ٹھنکا کیونکہ وہ آویز کے کمرے کے سامنے کھڑی تھی۔ بلی نے مڑ کر کمرے کو دیکھا۔

"شاید آویز بھائی کے کمرے میں سو گئی تھی۔"

"اور آویز؟" وہ کافی سخت اور سرد آواز سے بولیں

رہی تھیں۔

"پتا نہیں وہ تو شاید کمرے میں ہی نہیں آئے۔" اس نے جماہی کو بمشکل روکا اور نیند سے بوجھل آنکھوں کو کھولنے کی کوشش کی۔

"وہ ابھی ابھی کمرے سے ہی نکل کر گیا ہے تمہیں خود احساس نہیں ہے کہ تم اب بڑی ہو چکی ہو تمہیں احتیاط کرنی چاہیے یہ کیا کہ جہاں دل چاہا سو گئیں وہ بھی کسی مرد کے کمرے میں!" جہاں آرا بیگم کو ناگوار گزرا اور بلی نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر ان کو دیکھا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی ہیں اور انہوں نے کڑی نگاہوں سے اسے جانچا اور بلی ان کی باتوں ان کی آنکھوں کا مفہوم جان کر لرز اٹھی۔ اسے اپنا سر چکراتا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کی رنگت متغیر ہو گئی اور پھر ثمو کی رخصتی تک وہ سب کچھ غائب دماغی سے دیکھتی رہی اسے اپنے اور آویز کے رشتے۔ دادی کی ناگواریت اور رمشہ کی مشکوک ناپسندیدہ باتیں اک دورا ہے پہ لے آئی تھیں اور رہی سہی کسر چند دن بعد چھوٹی ممانی کی باتوں نے کر دی۔

بلی ثمو کے اصرار پہ سنڈے کے روز "مرتضیٰ لاج" آئی ہوئی تھی اور آویز ہی اسے آفس جانے سے پہلے چھوڑ گیا تھا۔ بلی رامش اور زرین سے ملنے ان کے پورشن کی طرف آئی تو بڑے کمرے کے آگے سے گزرتے ہوئے آویز کا نام سن کر ٹھٹک گئی۔

"پتا نہیں اس کی شادی کہاں کریں گی یہ عائشہ بیگم۔"

چھوٹی ممانی کی بہن کا چہرہ ادھ کھلے دروازے سے نظر آ رہا تھا۔

"مجھے تو بڑی چالاک لگتی ہیں یقیناً" اسے بلی یا پھر ثمو سے بیاہیں گی اسی لیے تو اپنی بچی کی شادی کر دی لیکن اس کی ابھی تک منگنی بھی نہیں کی۔" چھوٹی ممانی کا لہجہ سلگ رہا تھا۔ بلی سن ہو گئی۔

"آویز بھائی کی شادی مجھ سے ممکن ہے؟" اس نے حیرت سے سوچا اور ذہن میں نجانے کون کون سے دروا ہوتے چلے گئے تھے۔

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو میرا تو خیال ہے چھوٹی بچی سے بیاہے گی آخر اس شہزادی کے ناز نخرے بھی تو بہت اٹھائے جاتے ہیں۔" بلی نے اپنے قدموں پہ کھڑا رہنے کے لیے دیوار پہ ہاتھ رکھ کر خود کو سہارا دیا۔

"لیکن راشدہ میں تو چاہتی تھی رمشہ کی بات آویز سے طے ہو جاتی تو اچھا تھا بہت ہونہار سپوت ہے وہ!"

چھوٹی ممانی نے اپنی بہن کو اپنی خواہش بتائی اور سیڑھیوں پہ آہٹ سن کر بلی آگے بڑھ گئی تھی لیکن واپسی پہ اس کے دل میں اک انقلاب بپا تھا۔ اک حشر اٹھ رہا تھا۔ اک قیامت تھی۔ وہ رفتہ رفتہ اس مقام پہ پہنچ گئی جس کی نشاندہی وہ سب لوگ اپنی باتوں اور اپنے شکوک و شبہات سے کر رہی تھیں۔ ان لوگوں نے ایک عجیب سوچ دے ڈالی اک انوکھی راہ پہ دھکیل دیا تھا اور اس راہ سے پلٹنا اب یقیناً مشکل بھی تھا اور ناممکن بھی۔

☼ ☼ ☼

بلی میں رونما ہونے والی تبدیلیاں ہر اک کے لیے باعث حیرت تھیں۔ گھر کے تمام افراد اس کایا پلٹ پہ بے یقین تھے ہر وقت کی بھاگ دوڑ ہر وقت کا لڑنا جھگڑنا۔ جنوں سے دنگا فساد سب ختم ہو گیا نجانے وہ کن سوچوں اور کن مصروفیات میں گھری اپنے بیڈ روم میں بند رہتی کہ عائشہ بیگم تشویش میں مبتلا ہو گئیں اور آویز تو بری طرح جھنجلا رہا تھا۔ ثمو جا چکی تھی۔ بلی اپنی عادتوں سے منہ موڑ چکی تھی اور بے چاری ثمو کالج کے چکروں اور گھر کے کاموں میں ماں کا ہاتھ بٹاتے ہوئے گھن چکر بن چکی تھی۔ آویز گھر میں داخل ہوتا تو اس خاموشی اور تنہائی سے بے زار ہونے لگتا آج بھی وہ تنگ آ کر بلی کے کمرے میں پہنچ گیا تھا۔

"یار کیا کر رہی ہو آج کل کون سا دورہ پڑ گیا ہے جب دیکھو کمرے میں۔" وہ غصے سے کہہ رہا تھا۔ بلی اس کو دیکھ کر سنبھل کے بیٹھ گئی۔ اس نے بلی کو دیکھا وہ گردن جھکائے بیٹھی تھی اور کچھ مضطرب بھی

لگ رہی تھی۔

"بیلی پلیز اٹھو! نیچے چلتے ہیں یا پھر کہیں باہر چلتے ہیں۔" اس نے بیلی کا ہاتھ پکڑنا چاہا لیکن وہ خود ہی یکدم کھڑی ہو گئی اور دو قدم پیچھے بھی ہٹ گئی۔

"لیکن وہ میرا ٹیسٹ ہے صبح اور مجھے تیاری کرنی ہے۔"

اس نے آہستگی سے کہا۔ وہ نجانے کیوں آویز سے اس کی قربت سے گریز کرنے لگی تھی اور حتی الامکان اس سے دور رہنے کی کوشش کرتی تھی اور اپنی اس کوشش میں وہ کبھی کبھار ناکام بھی ہو جاتی تھی کیونکہ آویز اس کو کہیں نہ کہیں سے گھسیٹ ہی لاتا تھا۔ آج بھی وہ بیلی اور نمو کو زبردستی گھمانے لے گیا تھا۔ خلاف معمول نمو باتوں میں آویز کا ساتھ دے رہی تھی اور وہ خاموش بیٹھی رہی۔

"بیلی کیا بات ہے کیوں اتنی چپ رہنے لگی ہو۔ کوئی پرابلم ہے تو ہم سے شیئر کرو پلیز۔ میں بہت ڈسٹرب ہو رہا ہوں!" آویز رات اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔

"پلیز آپ یہاں سے چلے جائیں....." وہ اپنے بیڈ سے اٹھ گئی۔

"کیوں بیلی....."

"میں پڑھنا چاہتی ہوں آپ چلے جائیں پھر کبھی بات کریں گے!" وہ اس کے اپنے کمرے میں آنے پر اب حقیقتاً پریشان ہونے لگی تھی۔ اسے آویز مرتضیٰ کو اب دور دور سے دیکھنا اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ اب اس کی آمد پہ نہیں اس کی آہٹوں پہ سرشار ہوتی تھی۔ وہ اب اس کے سامنے نہیں اس کے تصور سے باتیں کرتی تھی اسے آویز کا اپنے لیے پریشان ہونا بہت اچھا لگتا تھا مگر اس وقت اسے آویز کی یہ تشویش پریشان کر رہی تھی۔

"بیلی تم ہم سے کچھ چھپا رہی ہو کیا؟" آویز نے اس کے سامنے آ کر پوچھا تو وہ اپنی کیفیت کا راز افشا ہو جانے کے خیال سے گھبرا کر پلکیں جھکا گئی۔

"میں کچھ نہیں چھپا رہی بلیوی۔" اس نے یقین دلانا چاہا آویز نہ مانا تو وہ لپک کر بیڈروم سے نکل گئی اور وہ ہکا بکا کھڑا رہ گیا تھا اور پھر آویز نے عائشہ بیگم کو بھی یہ مسئلہ بتا دیا تھا وہ بھی اسی نکتے پہ غور کر رہی تھیں۔

"میں آویز سے شادی کرنا چاہتی ہوں میں ان سے محبت کرتی ہوں....." اپنی فرینڈ سے فون پہ بات کرتی بیلی گرد و پیش سے بے خبر تھی لیکن باہر سے گزرتی عائشہ بیگم پہ بم پھٹ گیا تھا۔ گھر کی چھت ان کے سر پہ آ رہی تھی۔

"بیلی!" وہ اس کے سر پہ آ کے دھاڑیں اور بیلی کانپ گئی۔

"یہ..... یہ میں کیا سن رہی ہوں؟" بیلی کی پلکوں کو جھکتے دیکھ کر بات کی سچائی کی تصدیق ہو گئی تھی۔

"ہاں مما مجھے آویز سے محبت....."

ان کے تھپڑ نے بیلی کو بات مکمل نہیں کرنے دی۔

"بکواس بند کرو اپنی۔" وہ لرز رہی تھیں ان کو اپنی سماعتیں سلگتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"مما میں سچ کہہ رہی ہوں مجھے آویز سے محبت ہے..... مجھے ان سے شادی کرنی ہے..... ورنہ، ورنہ میں مر جاؤں گی۔" بیلی روتے اور مار کھاتے ہوئے ایک ہی بات کہے جا رہی تھی اور شور کی آواز سن کے اندر آنے والی جہاں آرا بیگم اور نمو چکرا گئی تھیں۔

"میں تیری زبان کاٹ دوں گی۔ تیرا گلا دبا دوں گی تو نے ایسا دوبارہ کہا بھی تو....." عائشہ بیگم نے زندگی میں پہلی بار اپنی اولاد پہ ہاتھ اٹھایا تھا اور اب اس ہاتھ کو روکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

"پاگل مت بنو عائشہ حوصلے سے کام لو۔" جہاں آرا بیگم نے آگے بڑھ کے بہو کو روکا۔

"چھوڑیں اماں اس لڑکی نے میری تربیت کو بدنام کر دیا ہے میں اسے آج ہی زندہ گاڑ دوں گی۔" انہوں نے بیلی کو بری طرح پیٹ ڈالا تھا لیکن وہ یہ سب کر کے اسے اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹا سکی تھیں۔ وہ اتنا تشدد سہنے کے بعد بھی اپنی بات پہ ڈٹی رہی۔

☆ ☆ ☆

سائیں سائیں کرتا چابک اس کے جسم کے ساتھ ساتھ دل و دماغ پہ پڑا تو وہ بلبلا کر رہ گیا اس نے حیرت سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے جہاں آرا بیگم کو دیکھا اور پھر یقین اور بے یقینی کے درمیان ڈولنے لگا۔ وہ بھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بیلی اس رشتے کو کچھ اور نام دے دے گی وہ اس کی محبتوں کے غلط معنی نکال لے گی۔ وہ اسے شرمندگی اور ندامت کے کنوئیں میں دھکیل دے گی۔ وہ یوں لوگوں میں تماشا بن کے رہ جائے گا۔ اس کا ضمیر اس کو کچوکے لگائے گا۔ اس نے صوفے کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"دادی آپ کو کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی؟" وہ اپنی آخری امید کو ٹوٹنے سے بچانا چاہ رہا تھا۔

"بیٹا! غلط فہمی مجھے نہیں اسے ہو گئی ہے۔ وہ تمہارے لاڈ پیار کو زندگی بھر کے لیے صرف اپنا سمجھ گئی ہے اسی لیے کہتے ہیں رشتہ جو بھی ہو جیسا بھی ہو فاصلہ ہی اچھا ہوتا ہے میں تو اسے پہلے ہی ٹوکتی تھی لیکن کیا فائدہ یہ دن دیکھنا ہی تھا۔"

"او میرے خدایا....." آویز نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

رفتہ رفتہ یہ خبر "مرتضیٰ لاج" بھی پہنچ گئی وہاں بھی افراد بھونچکے رہ گئے تھے۔ عائشہ بیگم بخار میں پھنک گئیں۔ حسام رضوی الگ بیٹی کی حرکت پہ نادم تھے۔ نمو بھی چپ چپ تھی گھر بھر میں بے سکونی اور سناٹے کا راج تھا۔ آویز بمشکل اپنے آپ کو عائشہ بیگم کا سامنا کرنے پہ آمادہ کر پایا تھا۔

"مام....." وہ ان کے قریب ہی بیڈ پہ آ بیٹھا اور ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"کاش! میں بے اولاد ہی رہتی کاش! تم ہی میرے بیٹے ہوتے اور کوئی بھی میری اولاد نہ ہوتی کاش میں اولاد کے لیے اتنی دعائیں نہ مانگی ہوتیں۔" وہ آویز کو آغوش میں لیے رو پڑیں..... اور اس کا سر چومنے لگیں۔

"مام پلیز! میری خاطر چپ ہو جائیں، غلطی شاید اس کی نہیں میری اپنی تھی میں کیوں اس کی ضد پوری کرتا رہا؟ کیوں شمو اور نمو سے زیادہ اس کی کیئر کرتا رہا۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اور ہمارا تو پھر رشتہ ہی....." آویز کا لہجہ بھاری ہونے لگا تو اٹھ کر باہر نکل آیا تھا۔

"آویز بھائی کھانا کھا لیں!" نمو نے کہا مگر آویز سر جھٹک کر جواب دیے بنا پاس سے گزر گیا بیلی کی حرکت نے آویز کی نظر میں سب رشتوں کو نامعتبر کر دیا تھا۔ وہ ہر رشتے سے بدظن ہو گیا تھا۔ اسے اب کسی پہ اعتبار نہیں رہا تھا۔

نفرت کی انتہا پہ پہنچتے ہوئے آویز مرتضیٰ نے نکاح نامے پہ سائن کیے تھے اور پھر دس منٹ بعد وہاں سے آندھی طوفان کی طرح اٹھ کر گاڑی لے کر نکل گیا تھا اور بیلی آویز مرتضیٰ کو پا لینے کی سرشاری میں جیسے دنیا ہی بھول بیٹھی تھی۔ اس نے بہت طمانیت سے پلکوں کو موند کر آویز مرتضیٰ کی شبیہ کو دل کے ہر منظر پہ سجا لیا تھا۔ اس نکاح، اس رشتے اور اس فیصلے پہ جہاں آرا بیگم، اسرار مرتضیٰ اور عالیہ بیگم رضامند ہوئی تھیں، ورنہ حسام رضوی، عائشہ بیگم اور باقی کچھ لوگ بھی اس فیصلے پہ معترض تھے، لیکن اسرار مرتضیٰ اسپتال میں بیلی کی حالت دیکھ کر موم ہو گئے تھے چند روز پہلے باری باری سب نے بیلی کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی لیکن وہ نہ مانی اور تنگ آ کر آویز نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ اس کو دیکھنے سے احتراز کر رہا تھا اسی لیے نظر جھکا رکھی تھی۔

"بیلی! تم مجھے ندامت کی اتنی گہری دلدل میں دھکیل دو گی مجھے ہرگز امید نہ تھی میں ہمیشہ تمہیں شمو اور نمو کی طرح چھوٹی....."

"پلیز میں آپ کی بہن نہیں ہوں بھائی وہی ہوتے ہیں جو ماں جائے ہوں اور جن سے باپ کے خون کا رشتہ ہو۔ آپ میرے کزن ہیں میری پھپھو اور میرے ماموں کے بیٹے ہیں میرا اور آپ کا نکاح جائز

ہے آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں آپ سے محبت کرتی ہوں ڈیٹس اٹ!" اس نے کندھے اچکائے اور اس کی زبان درازی تھی اور دیدہ دلیری دیکھ کر آویز اپنے ہاتھ پر قابو نہ رکھ سکا۔ بیلی چکرا کر دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔

"میں تم سے نفرت کرتا ہوں ڈیٹس اٹ!" وہ غرایا اس کا جی چاہ رہا تھا بیلی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے اس کی دھجی دھجی بکھیر ڈالے۔

"آپ مجھ سے نفرت کر ہی نہیں سکتے۔" وہ منہ سے نکل آنے والے خون کو ہاتھ سے روک رہی تھی۔

"ہاں وہ آویز جس کو تم آویز بھائی کہتی تھیں وہ تم سے نفرت نہیں کر سکتا تھا مگر اب تم نے خود مجھے آویز مرتضیٰ بنا دیا ہے اور آویز مرتضیٰ کے دل میں اس وقت جتنی رباب رضوی کے لیے نفرت ہے اتنی کسی کے لیے بھی نہیں ہو گی۔"

"مجھے آپ کی یہ محبت بھری نفرت بھی قبول ہے۔" آویز کے کاٹ دار انداز پہ وہ نرمی سے مسکرائی تو آویز بولا۔

"ہو سکے تم چاہتی ہو تم مر بھی جاؤ تو بھی وہ نہیں ہو گا سمجھیں تم۔" وہ غرایا اور بیلی پھر مسکرا اٹھی۔ اسے زندگی میں پہلی بار آویز کا یہ سلگتا بھڑکتا روپ دلکش لگ رہا تھا۔ وہ پہلی بار اس کا یہ انداز دیکھ رہی تھی۔

"تو پھر مر جاؤں؟" انتہائی معصومیت سے پوچھا گیا۔

"کاش تم سچ مچ مر جاؤ۔" وہ اس کو دھکیل کر کمرے سے نکل گیا تھا اور بیلی نے اسی رات عائشہ بیگم کی گفتگو بھی سن لی۔

"میں کل ہی نثار بھائی کے گھر جا کر آویز کا رشتہ طے کر رہی ہوں یا پھر آویز کی پسند پوچھ کر اس کی شادی کر دیتی ہوں۔"

اور بیلی تڑپ کے رہ گئی۔ اسے اپنی ماں سے ایسی امید ہرگز نہ تھی اور پھر وہ زہریلی گولیاں نگل بیٹھی اور اتفاقاً نمو کو پتا چل گیا تھا۔ اس نے شور مچا دیا بہت مشکل سے دروازہ توڑ کر اسے نکالا گیا اور اسپتال لے گئے۔ دو دن وہ زندگی اور موت کے ہاتھوں کھلونا بنی رہی۔ آویز خود پچھتا چکا تھا عائشہ بیگم اور حسام رضوی جیسے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے تھے لیکن اسرار مرتضیٰ (آویز کے والد) اسپتال میں بھانجی کو دیکھ کر آخری فیصلے پہ پہنچ گئے بیوی اور اپنی ساس جہاں آرا بیگم سے مشورہ کیا نمو سے پوچھا سب ہی ان کے فیصلے سے متفق تھے اور پھر نجانے کیسے انہوں نے آویز، عائشہ بیگم اور حسام رضوی کو رضامند کیا تھا اور رباب کے اسپتال سے ڈسچارج ہوتے ہی گھر آ کر انہوں نے آج ان کے نکاح کی رسم ادا کر دی تھی۔ نثار ماموں کی فیملی میں سے کوئی بھی خوش نہیں تھا' البتہ اسرار مرتضیٰ اور افشار مرتضیٰ کی فیملیز میں یہ خوشی محسوس کی جا سکتی تھی ابھی صرف نکاح ہوا تھا، رخصتی کچھ عرصے تک ملتوی کر دی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے دوراہے پہ لانے والوں نے یہ نہ سوچا کہ میں چھوڑ دوں گا یہ رستہ بھی' وہ رستہ بھی"

"میں امریکا جا رہا ہوں۔" بہت دنوں بعد آویز نے کوئی بات کی تھی لیکن ایسی بات جس سے سب ہی زرد رہ گئے اور عائشہ بیگم کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ گیا۔

"کل میری فلائیٹ ہے۔" اس نے دوسرا دھماکا کیا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو بیٹا؟" حسام رضوی کو دکھ ہوا۔

"جی میں ٹھیک کہہ رہا ہوں میں نے کافی دنوں سے وہاں جاب کے لیے اپلائی کر رکھا تھا۔ مجھے جاب آفر ہوئی ہے تین دن بعد مجھے ڈیوٹی جوائن کرنی ہے۔" اور وہ چائے پی کر نیپکن سے ہاتھ پونچھ کر کھڑا ہو گیا تھا رباب کمرے ہی ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتی تھی اس لیے آج آویز کا فیصلہ اور شدید جدائی نہ سن سکی۔ اسے تب علم ہوا جب دوسرے روز آویز ایئرپورٹ جانے کے لیے گاڑی میں اپنا سامان رکھ رہا تھا۔

"یہ سب کیا ہے کسی نے مجھے بتایا بھی نہیں؟" رباب حیرت سے گنگ کھڑی تھی۔ آویز، نمو اور نمو سے مل کر گاڑی میں بیٹھ گیا اور پھر عائشہ بیگم اور حسام رضوی بھی بیٹھ گئے۔ آویز کی گاڑی بیلی کی نگاہوں کے سامنے اوجھل ہو گئی تھی نمو مبشر کے ساتھ اس کی گاڑی میں چلی گئی۔ نمو اندر آ گئی اور وہ وہیں بیرونی دروازے کے ستون کے پاس کھڑی اپنے آپ کو خالی خالی محسوس کرنے لگی تھی۔ آویز اس سے دور ہو گیا تھا' وہ یہ ملک ہی چھوڑ گیا تھا' وہ اس کا اپنا ہو کر بیگانہ ہو گیا تھا۔ رباب کو اس سب سے کیا ملا تھا؟ صرف جدائی!

جہاں آویز کو پالینے کی سرشاری نے اسے دنیا سے بیگانہ کیا تھا' وہاں اب اس کی جدائی نے اک انجانے درد سے دوچار کر دیا تھا اس کی جدائی کو شاید رو دھو کر وہ سہہ بھی لیتی' لیکن عائشہ بیگم کا بیلی سے قطع تعلق اور بہنوں کا خفا خفا انداز' رباب کی بے رخی اور بے اعتباری' کزنز کے نشتر بھرے جملے' دادی کا اول روز سے شک سے لبریز انداز رباب کو بہت جلد نڈھال کر گیا تھا وہ اپنے آپ کو غلط تصور کرنے لگی تھی' ماں باپ سے شکوے شکایات پیدا ہو گئے تھے۔ وہ رشتوں سے متنفر ہو چکی تھی وہ گھر میں رہتے ہوئے بھی اس گھر سے کٹ کے رہ گئی تھی۔

اس کے کسی بھی اچھے برے سے کسی کو کوئی مطلب نہ تھا۔ وہ اپنوں کی اپنائیت سے دلبرداشتہ ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"مما! بیلی کو بہت تیز بخار ہے آپ ڈاکٹر کو بلا لیں۔" نمو نے ماں کو آ کر اطلاع دی رباب کالج سے لوٹی اور ہمیشہ کی طرح کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

"تم خود کال کر کے بلا سکتی ہو۔" عائشہ بیگم آج بھی روز اول کی طرح رباب کے معاملے میں سخت تھیں۔ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی بیلی کے لیے دل صاف نہ کر سکی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ رباب کی وجہ سے ان کا بیٹا ان سے جدا ہو گیا چار سال سے وہ آویز کی جدائی سہہ رہی تھیں وہ اس کو دیکھنے کے لیے ترستی تھیں۔ ہزاروں مرتبہ فون پہ واپسی کا اصرار کر چکی تھیں لیکن وہ ایک ہی جواب دیتا کہ وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔ وہ کبھی پاکستان کا رخ نہیں کرے گا اور عائشہ بیگم دل مسوس کے رہ جاتیں تب ان کا جی چاہتا وہ اسے گولی مار دیں۔

ان چار سالوں میں انہوں نے ایک بار بھی بیلی سے روبرو بات نہ کی اس کو مخاطب نہ کیا' جتنی دفعہ وہ بیمار ہوئی جہاں آرا بیگم نے ہی اس کی کیئر کی تھی۔ وہ خود کو صرف آویز مرتضیٰ کی ماں سمجھتی تھیں۔

ان کے لیے آویز ہی سب کچھ تھا وہی ان کی کائنات تھا اس کے لیے دن رات روتی تھیں اس سے ملنے کو ترستی تھیں۔

"آپ سے میں بھی آخری بار کہہ رہی ہوں' مجھے آپ کی قسم میں تب تک شادی نہیں کروں گی جب تک مجھے رخصت کرنے آپ نہیں آئیں گے اور آپ جانتے ہیں میں نے کبھی ضد نہیں کی لیکن یہ میری پہلی اور آخری ضد ہے!" نمو نے کہہ کے لائن منقطع کر دی اور پھر صوفے پہ آ بیٹھی تھی۔ عائشہ بیگم بھی تھوڑی دیر پہلے بیٹے سے بات کر چکی تھیں۔ نمو کی سسرال والے اب شادی پہ اصرار کر رہے تھے اور وہ چاہتی تھیں کہ آویز واپس آئے تب یہ فرض ادا کریں۔ نمو کے لائن کاٹنے پہ وہ فکر مند ہو چکا تھا اس لیے دوبارہ ٹرائی کرنے لگا اب بھی نمو نے ہی کال ریسیو کی۔

"نمو پلیز بات تو سن لو...."

"بھائی! میں کہہ چکی ہوں کیا اس گھر میں آپ دونوں کی ضدیں چل سکتی ہیں' بیلی نے ضد کی اور شادی کر لی۔ آپ نے ضد کی اور چار سال دور بیٹھے گزار دیے۔ ہم کچھ بھی نہیں ہیں؟ ہم نے آج تک بیلی کے کیے کی اسے سزا دی ہے۔ کبھی اس سے ہنسی خوشی بات نہیں کی' کبھی اس کی تکلیف پہ اسے تسلی دلاسا نہیں دیا' کبھی اس کے قریب نہیں گئے اور نہ اسے اپنے قریب آنے دیا۔ اسے ایک گھر میں رہتے

ہوئے اپنے سے دور کر دیا جیتے جی مار دیا اس کو کیوں؟ کیونکہ وہ غلط تھی' اس نے غلطی کی تھی' اس نے رشتوں کے رنگ اور معنی بدل دیے تھے۔ اس نے ہم کو دکھ دیا تھا اور آپ! آپ بھی تو اس سے کم نہیں ہیں آپ نے بھی تو کچھ اچھا نہیں کیا وہ دکھ کا باعث بنی تو آپ نے اذیت سے ہم کنار کر دیا۔

کیا یہ کسی ماں کے لیے اذیت نہیں کہ وہ بیٹے کی آواز سننے اور صورت دیکھنے کو ترسے کیا یہ کسی باپ کے لیے اذیت نہیں کہ بیٹا جوان ہو اور وہ کاروبار میں الجھتا، جھکے کھا رہا ہے۔ کیا یہ کسی بہن کے لیے اذیت کا مقام نہیں کہ اس کی ڈولی بھائی کے بغیر اٹھے۔۔۔ یہ سب اذیت ہے بھائی اور ہم یہ اذیت اٹھا رہے ہیں آپ بھی اتنے ہی قصور وار ہیں جتنی بجلی تھی آپ نے بھی ہم کو دکھ دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔۔۔ لیکن لیکن بھائی اس سے پہلے کہ دکھ کی ہوا سے ہمارے احساس سرد ہو جائیں آپ واپس آجائیں۔ اس سے پہلے کہ مما کو احساس ہو کہ آپ ان کے بیٹے نہیں اور مجھے احساس ہو کہ آپ میرے بھائی نہیں پلیز آپ لوٹ آئیں ابھی سب کچھ مٹھیوں میں قید ہے۔

بجلی نے صرف آپ کا اور اپنا رشتہ بدلا ہے میرا' شمو اور مما پاپا کا آپ سے رشتہ آج بھی وہی ہے وہ بھی نہیں بدل سکتا پلیز۔۔۔ بھائی۔" ہچکیاں لیتے ہوئے وہ اتنا کچھ کہہ گئی کہ وہ فون بند کر دینے پہ مجبور ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

چند روز پہلے عمارہ "رضوی ولا" آئی تو بجلی کو فارغ دیکھ کر زبردستی "مرتضیٰ لاج" لے گئی' لیکن وہاں عالیہ بیگم کی طبیعت خراب دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

"پھوپھو کیا ہوا آپ بہت ویک ہو رہی ہیں۔" بجلی نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ بجلی کو آج بھی اچھی طرح یاد تھا کہ اس کے نکاح میں بڑے ماموں اور عالیہ پھوپھو ہی خوش اور رضامند تھے انہوں نے بجلی کی رہی سہی رکنوں میں دوری کی تھیں اس کا ساتھ دیا تھا' وہ اس کے ساس سسر بھی تھے۔

"دعا کرو بیٹا جیتے جی میرا بیٹا مجھے نظر آجائے' میں اس کو ایک بار دیکھ لوں' عمر بھر اسے اپنی آنکھوں سے دور رکھا لیکن اب۔۔۔ وہ کب آئے گا بیٹا؟ مجھے آویز واپس لا دو۔۔۔" وہ کہتے کہتے رو پڑیں اور بجلی پتھرا گئی وہ دم بخود بیٹھی تھی۔

وہ اپنی ضد کے باعث آویز کو دور کر کے دو ماؤں کے دلوں کی آہیں لے رہی تھی۔ ان کے دلوں کو جلا کر وہ کیسے آرام سے رہ سکتی تھی۔ اسے بھی تو بے سکون ہونا ہی تھا اللہ نے اس کا قرار بھی چھین رکھا تھا۔

بہت دنوں سے ایک فیصلہ اس کے دل و دماغ میں چکرا رہا تھا۔ وہ اپنی محبت اور آویز مرتضیٰ سے دستبردار ہو گی تب سب لوگوں کو سکھ میسر آسکتا تھا اور وہ اپنی محبت سے اتنی آسانی سے کیسے دستبردار ہو سکتی تھی کچھ وقت درکار تھا اس شخص کو کھونے کے لیے جو اس کے بچپن کا ساتھی اور لڑکپن کا خواب تھا' جس کی محبت اس کے دل میں جوانی کی دہلیز پہ قدم رکھنے سے پہلے ہی وارد ہو چکی تھی' جو اس کی سوچوں اور دھڑکنوں میں بس چکا تھا۔ وہ اس شخص کو چھوڑنے' اس فیصلے پہ قائم رہنے کی جدوجہد بھی کر رہی تھی۔ اپنے اعصاب مضبوط کر رہی تھی سوچوں نے زیادہ پریشان کیا تو کمرے سے نکل کر باہر لان کی سیڑھیوں پہ آ بیٹھی کھلی فضا میں سانس لینے کی غرض سے آسمان کو دیکھا اور بادلوں کی بھاگ دوڑ دیکھتی رہ گئی۔ سفید اجلے اجلے بادل دور جمع ہوتے جا رہے تھے اور وہ ان کو دیکھتے ہوئے سوچوں کے گرداب میں جا اتری کافی دیر سے نمو اسے ایک ہی پوزیشن میں دیکھ کر اس کو مخاطب کر بیٹھی تھی اور بجلی کا فیصلہ جان کر ہکا بکا رہ گئی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

ہجر کی تمازت سے وصل کے الاؤ تک
لڑکیوں کے جلنے میں دیر کتنی لگتی ہے
بات جیسی بے معنی بات اور کیا ہو گی؟
بات سے مکرنے میں دیر کتنی لگتی ہے

"یہ ہم کیا سن رہے ہیں؟" حسام رضوی آج پہلی بار براہ راست بجلی سے مخاطب ہوئے تھے وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔

"آپ ٹھیک سن رہے ہیں' آپ یہ رشتہ توڑ کر اپنے بیٹے کی شادی اپنی پسند سے کر سکتے ہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں میں طلاق کے لیے تیار ہوں۔" وہ کہہ کے وہاں رکی نہیں فوراً پلٹ گئی اور وہاں موجود افراد ہکا بکا رہ گئے تھے۔ عائشہ بیگم تلملا اٹھی تھیں۔

"چار سال پہلے اس لڑکی نے ہمیں خاندان بھر میں تماشا بنایا اور اب پھر نیا تماشا کھڑا کرنا چاہ رہی ہے اب کی بار میں اسے چھوڑوں گی نہیں۔" انہیں رہ رہ کر غصہ آنے لگا تھا۔

"وہ ٹھیک کہہ رہی ہے عائشہ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا' تم آویز سے بات کرلو وہ اپنی پسند سے شادی کر لے۔" حسام رضوی کہہ کے چلے گئے تھے۔ عائشہ بیگم کو اور جھٹکا لگا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے کیوں ہو رہا ہے؟" جہاں آرا بیگم تپ گئیں' نمو سر جھکائے بیٹھی رہی۔ شمو بھی ان فیصلوں کو سن رہی تھی جن کا سرا ہی ہاتھ نہ آ رہا تھا۔

امید تو بندھ جاتی تسکین تو ہو جاتی
وعدہ نہ وفا کرتے وعدہ تو کیا ہوتا

نرم کشن کو بانہوں میں بھینچے اس میں منہ چھپائے وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی دل تھا کہ اپنے ہی فیصلے سے مکر رہا تھا' لیکن بجلی اب اپنے آپ پہ جبر کرنا چاہتی تھی وہ جیسے "اب پہلے جیسی بجلی نہیں رہی تھی وہ یکسر بدل گئی تھی اس میں بہت سی تبدیلیاں آچکی تھیں اور یہ تبدیلیاں سب کو پہلی نظر میں ہی نظر آ رہی تھیں آخر وہ چار سال سب کی بے رخی اور آویز مرتضیٰ کی جدائی کے ایندھن میں جلی تھی۔ چار سال اس نے کندن بننے میں لگائے تھے اور اب چار سالوں بعد بھی اپنے مقدر میں لاحاصل کی مہر درج کر رہی تھی اور اس پہ رونا تو فطری فعل تھا۔ وہ اندر سے نڈھال اور کھوکھلی ہو چکی تھی۔

بات بات پہ رونا آ رہا تھا۔ گھر میں موجود اس کی ماں اور بہن بھی اس کا یہ شکستہ روپ دیکھ چکی تھیں۔ نمو اور شمو اسے بہلانے کی کوشش کرنے لگی تھیں وہ ان سے چھوٹی تھیں اگر غلطی کا احساس ہو چکا تھا تو وہ اب معافی کی حق دار بھی تھی اور ان بہنوں نے اسے سچ مچ معاف کر کے پہلے جیسی بجلی تصور کر لیا تھا' مگر عائشہ بیگم کو کون سمجھاتا جن کا بیٹا آج بھی ان سے دور ہی تھا' ہزاروں میلوں کے فاصلے پہ' آنکھوں سے اوجھل۔ وہ بجلی کو آج بھی ناگواری سے دیکھتی تھیں۔

اچانک ہی گھر میں نمو کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے ڈیٹ فکس ہو چکی تھی سب ہی بہت خوش تھے اور بجلی ان خوشیوں کو حسرت سے دیکھتی رہ جاتی تھی۔

آج واپسی پہ وہ ٹھٹک کے رہ گئی تھی' آویز مرتضیٰ کی آواز وہ لاکھوں میں پہچان سکتی تھی وہ برف کی طرح ٹھس کھڑی تھی۔

"ارے بجلی تم کب آئیں؟" مبشر اپنے دو سالہ بیٹے کو بہلانے کے لیے باہر نکلا تو بجلی کو دیکھ کر ٹھٹک کے رک گیا پھر ایک دم مبشر کے چہرے پہ ایک جاندار سی مسکراہٹ ابھر آئی۔

"اندر آؤ دیکھو کون آیا ہے؟" اس نے بجلی کی کلائی پکڑ کر ڈرائنگ روم میں لے جانا چاہا۔

"پلیز مبشر بھائی!" وہ یکدم ہی ہوش میں آتے ہوئے اپنی کلائی چھڑا چکی تھی۔

"ارے یار تمہارا بہت اچھا اور برسوں پرانا دوست آیا ہے!" مبشر باز نہیں آیا تھا۔

"پلیز مبشر بھائی مجھے جانے دیں۔۔۔" وہ روہانسی ہو گئی تھی بمشکل مبشر سے پیچھا چھڑا کر وہ اوپر اپنے بیڈ روم میں آئی۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے نجانے کتنی مرتبہ ٹھوکر لگی لیکن وہ پھر بھی رکی نہیں تھی' اس کی زندگی میں انقلاب آگیا تھا۔ آویز مرتضیٰ کو دیکھنا اور سامنا کرنا اب اس کے لیے دشوار ترین مرحلہ بن چکا تھا۔ وہ اپنے اندر اتنا حوصلہ ہی نہیں پا رہی تھی کہ اس کے روبرو ہو سکتی۔۔۔ سوچوں کی یلغار کو چہرے پہ پانی

کے چھینٹے ڈال کے منتشر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"مبارک ہو صاحب بہادر آئے ہیں!" شمو نے اس کے بیڈ روم میں داخل ہوتے ہوئے چہک کر کہا۔ بیلی اگنور کر گئی۔

"ارے! آج تو مسکرا دو۔ آج تو ہمیں خوشیوں کا رخ روشن دیکھنا نصیب ہوا ہے۔" شمو اپنی ایک سالہ بیٹی کو بیلی کے بیڈ پہ بٹھا چکی تھی اور بیلی کو خفگی بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"بیلی کیا بات ہے کیوں اتنی روڈ ہو رہی ہو؟" شمو نے اس کا چہرہ اونچا کیا۔

"آپی آپ کی خوشیوں میں میرا کوئی وجود نہیں' میرا کوئی گزر نہیں پھر آپ لوگ مجھے کیوں اپنے معاملات میں انوالو کرتے ہیں؟" رباب سپاٹ لہجے میں کہہ رہی تھی۔ شمو نے اس کی بات کو نظر انداز کر دیا۔

"ہم تمہیں اس لیے انوالو کرتے ہیں کہ تم ہمارا اور ہمارے معاملات کا حصہ ہو۔" اس نے بیلی کو اپنے قریب بٹھا لیا۔

"نہیں میں سب سے الگ ہوں میرے معاملات ——" وہ بات کرتے کرتے رک گئی۔ آواز رندھ گئی تھی۔

"بیلی!" شمو نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو بیلی چار سالوں کا ضبط توڑ بیٹھی اس کے ہاتھ سے نہ چاہتے ہوئے بھی صبر کا دامن چھوٹ گیا۔ آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ شمو اس کو بہلاتی خاموش کرواتی تسلیاں بھی دے رہی تھی اور جب وہ نہ سنبھلی تو اسے کھل کے رونے کا موقع دے دیا بہت دیر تک وہ ہچکیاں لیتی رہی اور پھر خود ہی چپ ہو گئی۔

"کھانا کھا لیا ہے؟" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"اچھا چلو نیچے چلتے ہیں ہم نے بھی ابھی نہیں کھایا۔" شمو بچی کو اٹھا کر اٹھنے لگی۔

"نہیں بھوک نہیں میں نے کالج میں ہی برگر لے لیا تھا۔" اس نے انکار کر دیا۔

"آر یو شیور؟" اس نے اثبات میں گردن ہلا کر کہا تو شمو چلی گئی اور وہ بیڈ پہ لیٹتے ہوئے چہرے پہ کشن رکھ چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

لائیٹ اسکائی بلو کلر کے سوٹ میں ملبوس لڑکی کو وہ کافی دیر سے سیڑھیوں پہ کھڑا دیکھ رہا تھا مشکل یہ تھی کہ وہ اس کی سمت پشت کیے فون پہ کسی سے باتیں کرنے میں مصروف تھی اور وہ جان نہیں پا رہا تھا کہ وہ کون ہے اسے جس کا شک ہو رہا تھا' وہ ہرگز اس انداز میں نہیں ہو سکتی تھی۔

"او کے پھر میں تمام نوٹس کالج ہی لے آؤں گی ہاں ٹھیک ہے اللہ حافظ۔" وہ فون رکھ کے مڑی اور کتاب اٹھا کر راہداری عبور کر گئی۔ اویز مرتضیٰ حیرت سے دنگ کھڑا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں اور اپنی سماعتوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔

"آپ نے اور کتنی دیر یہاں کھڑے رہنا ہے؟" نمو ڈرائنگ روم کی صفائی کرتے ہوئے اویز کو کافی دیر سے سیڑھیوں پہ کھڑا دیکھ رہی تھی پھر اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو بے ساختہ مسکرا دی اور سیڑھیوں کے ستون کے قریب آ کر اسے مخاطب کر بیٹھی۔

"نمو یہ ۔۔۔ یہ؟"

"جی ہاں یہ بیلی ہی ہے مسز اویز مرتضیٰ۔" نمو نے مکمل تعارف کا حوالہ دیا اور اویز لبوں کو سکیڑتے ہوئے سیڑھیاں اتر گیا۔

"کیوں اچھی نہیں لگی؟" نمو کی شرارت بھری آواز پہ اس کے قدم ٹھٹکے پھر سر جھٹک کے باہر نکل گیا لیکن کافی دیر تک کچھ دیر پہلے کے منظر سے نہ نکل سکا۔ انتہائی دھیما لہجہ' انتہائی متوازن آواز اور مناسب پہناوا۔ یہ سب کچھ اویز کے لیے ناقابل یقین تھا۔ کن اور ناقابل یقین تھا۔

بیلی پہلے جیسی نہیں رہی وہ ان باتوں کو سنتا لیکن اسے آج اندازہ ہو گیا کہ وہ بدل گئی ہے پہلے جیسی نہیں رہی —— بیلی نے اویز

وہ ان باتوں پہ یقین کرنے پہ مجبور ہو گیا تھا کیونکہ آج اتفاقاً "ہی ان کا ٹاکرا ہوا تھا۔

"بیلی ۔۔۔ بیلی! نیچے آؤ پھوپھو بلا رہی ہیں۔" نمو نے آواز دی۔

"جی آ رہی ہوں!" وہ آواز سن کے عجلت میں کمرے سے نکلی اور سیڑھیوں کی ریلنگ مڑتے ہی اویز سے بری طرح ٹکرا گئی۔ وہ اچانک اس حملے سے بوکھلانے کے باوجود اس کو تھام چکا تھا اور اچانک دونوں اک دوسرے کو دیکھنے پہ مجبور ہو گئے تھے رباب کے اعصاب تک جھنجھنا اٹھے تھے۔

اویز مدت بعد اس کو روبرو دیکھ رہا تھا۔ اویز کے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں بیلی کے دونوں بازو تھے۔ اسے اس گرفت اور اس لمس کا احساس ہوا تو فوراً "ہی نظر چرا کر سائڈ سے گزرتی چلی گئی ۔۔۔ وہ اس کے بدل جانے پہ اور بیگانے پن پہ ایمان لے آیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ دوبارہ ڈرائنگ روم میں اک دوسرے کو دکھائی دیے۔

"ہم تمہیں اپنے گھر لے جانے آئے ہیں' تمہیں اب یہاں نہیں ہمارے ساتھ رہنا ہے۔" عالیہ بیگم نے اس کے بال سنوارے اور اس کا ہاتھ تھام کے کہا۔ وہ ان کو استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"دیکھو نا بیٹا نمو یہاں سے رخصت ہو کر مرتضیٰ ولاج گئی ہے' نمو یہاں سے رخصت ہو کر اپنے سسرال والے گئی اور تم یہاں سے رخصت ہو کر یہاں ہی رہتی اچھی نہیں لگو گی نا اس لیے ہم چاہتے ہیں تم ہمارے گھر سے ہماری بیٹی بن کے سارہ اور عمارہ کی طرح رخصت ہو کر اپنے سسرال آؤ۔" عالیہ بیگم اور اسرار صاحب اس کو لینے آئے تھے لیکن وہ انکار کر بیٹھی۔

"میں یہ رشتہ توڑنا چاہتی ہوں' آپ رخصتی کے خواب مت دیکھیں۔"

"کیا؟" وہ چکرا گئے تھے۔ اویز پہلو بدل رہا تھا اور دیکھ رہا تھا۔

"جی میں یہ بات پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ مجھے یہ رشتہ قائم نہیں رکھنا میں ۔۔۔"

حسام رضوی نے پہلی بار شدید ترین غصے کا اظہار کیا تھا۔

"بس بہت ہو گیا اب ایک لفظ بھی کہا تو ۔۔۔"

"کیوں؟ کیوں نہ کہوں؟ کیونکہ میں غلط ہوں؟ کیونکہ میں بری ہوں؟ کیونکہ میں نے ایک غلط بات سوچی غلط خواب دیکھا۔ غلط تمنا کی اور غلط راہ پہ چلی اس لیے نہ کہوں؟ لیکن پاپا میں غلط نہیں ہوں۔ میری سوچ میرا خواب' میری تمنا غلط نہیں ہے کیونکہ غلط آپ ہیں' آپ کا یہ معاشرہ غلط ہے آپ کے آس پاس بکھرے لوگ غلط ہیں۔ آپ لوگوں کی سوچیں غلط ہیں آپ لوگ برے ہیں آپ نے مجھے سب کچھ سکھایا۔۔۔ میں نے جب یہ بات سوچی میری عمر کیا تھی؟ صرف چودہ سال! میرے شوق کیا تھے؟ کھیلنا اور چپس کھانا یا پھر اپنوں سے شرارتیں! اس سے آگے میں کبھی جا ہی نہیں سکتی تھی لیکن مجھے غلط سوچوں والے لوگ غلط راہ پہ لے گئے میں کھیلتی تھی' میری مما کو اعتراض ہوتا تھا میں کیوں کھیلتی ہوں مجھے سنجیدہ ہونا چاہیے' ٹک کر بیٹھنا چاہیے۔ میں کپڑے پہنتی تھی میری ماں اور دادی کو میرے کپڑے برے لگنے لگے۔ میں اویز مرتضیٰ کو وہی درجہ دیتی تھی جو شمو اور نمو آپی دیتی تھیں' لیکن میری کزن رمشہ مرتضیٰ نے مجھے باور کروا دیا کہ بھائی صرف ماں جائے ہوتے ہیں کوئی دوسرا چاہے کزن ہو وہ بھائی نہیں ہو سکتا۔ میں نے بارہا ان سوچوں سے رخ موڑنے کی' دامن چھڑانے کی کوشش کی لیکن کسی نے مجھے دامن نہیں چھڑانے دیا۔ میں اویز مرتضیٰ کے قریب بیٹھتی تو میری دادی مجھے گھورتی تھیں' مجھے مشکوک نظروں سے دیکھتی تھیں۔ مجھے احساس دلاتیں کہ کسی مرد کے کمرے میں نہیں جانا چاہیے یعنی مجھے احتیاط کرنا چاہیے' آپ بتائیں مجھے کیوں احتیاط کا درس دیتی تھیں۔ مجھے کیوں اویز مرتضیٰ کے مرد ہونے کا احساس دلاتی تھیں کس لیے دور رہنے کی ہدایت دیتی تھیں' جو رشتہ ہمارے درمیان تھا اس میں تو احتیاط اور شک کا دور دور تک گزر ہی نہیں تھا لیکن غلط لوگوں نے شک

پیدا کر دیا۔

میری چھوٹی ممانی کا کہنا تھا کہ میری ممّا آویز مرتضیٰ کی شادی مجھ سے کرنا چاہتی ہیں اس لیے ثمرو کی شادی پہلے کر دی اور آویز مرتضیٰ کی شادی ابھی تک نہیں کی اور مجھے اس بات پہ یقین کرنا پڑا کہ میری شادی آویز مرتضیٰ سے ہو سکتی ہے‘ جو شک اور جو سوچیں لوگوں نے مجھ میں انڈیلی تھیں میں ان کو حقیقت میں بدلنے کی متمنی ہونے لگی میں ان کی دی ہوئی رائی سے پہاڑ بنانے لگی تھی۔ میں غلط سوچوں والے لوگوں کے ہمراہ چلتی غلط راہ پہ آ گئی اور ازل سے میری ضد میں میری خواہشیں پوری کرنے والوں نے زندگی کی اس ضد پہ مجھے کڑی سزا دی۔ مجھے دھتکار دیا۔

کیا اولاد سے غلطی ہو جائے تو ماں باپ معاف نہیں کرتے؟ کیا اولاد دکھ میں‘ تکلیف میں تڑپ رہی ہو تو اس کا احساس نہیں کرتے؟ غلطی ایک بار ہوئی ہے لیکن اس کو معاف کر دیا جائے تو وہ دوبارہ سر نہیں اٹھاتی مگر آپ نے میری ایک غلطی کو ہی میرے لیے سزا بنا دیا۔ میں نے چار سال اپنی ماں کی بے رخی دیکھی ہے۔ چار سال میری ماں نے مجھ سے بات نہیں کی۔ میں بیمار ہوئی تو مجھے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ میں بھوکی رہی تو میری پروا نہیں کی میں چار سال جاگی‘ روئی‘ تڑپی لیکن میری ماں کو میرا احساس نہیں ہوا اور آپ خود..... پاپا! آپ نے چار سالوں میں کتنی بار مجھے پاس بٹھایا؟ پیار کیا؟ ایک بار بھی نہیں..... کبھی بھولے سے بھی میرا حال نہیں پوچھا۔ کیوں کہ میں گناہ گار تھی کیا آپ کی بیٹی نہیں تھی۔ اور میری بہنوں نے بھی مجھے اکیلا کر دیا۔ میں تنہا ہو گئی مجھے میرے اپنوں نے بیگانہ کر دیا میں اپنے آپ کے لیے بھی اجنبی ہو گئی۔ مجھے آپ سب نے اذیت دی‘ ٹارچر کیا..... میں اپنے زخم نہیں بھول سکتی ہاں..... جو خطا میں کر چکی ہوں اس پہ آپ سب سے معافی چاہتی ہوں لیکن اب میں اور دکھ [illegible] اس رشتے پہ ناخوش تھے میں اس رشتے کو توڑ رہی ہوں۔ میں آویز مرتضیٰ سے سب کے سامنے تعلق ختم کرنا چاہتی ہوں۔

وہ بولنے پہ آئی تو بولتی چلی گئی۔ وہاں موجود لوگ دم بخود گنگ سے بیٹھے تھے۔ بیلی کے آنسو اک تواتر سے بہہ رہے تھے وہاں موجود چند چہروں پہ بھی آنسو چمک رہے تھے بیلی نے اپنی خطاؤں سے پردہ اٹھایا تو اور بہت سی ہستیوں کی خطائیں منظرِ عام پہ آ گئی تھیں۔

اس نے اپنی غلطیوں کا تذکرہ کیا تو سب کی غلطیاں زیرِ بحث آ گئیں اور عدالت میں کھڑی رباب کہیں سے بھی غلط اور گناہ گار نہیں تھی۔ وہ آج بھی ویسی ہی کھری تھی‘ بالکل کورے کاغذ کی طرح اس کا من آج بھی سلیٹ کی طرح صاف تھا۔ اس کو رشتوں کے غلط رخ دکھائے اور باور کرائے گئے تھے اور وہ بچپن کی حدود میں کھڑی سب کچھ دیکھتی اور ازبر کرتی گئی تھی۔ غلطی اس کی کہیں نہیں غلط انداز میں سمجھانے والوں کی تھی ان کا انداز فکر غلط تھا اور وہ جو سمجھتی گئی وہی عمل کرتی گئی تھی ’رائی‘ تھی تو پہاڑ کھڑے کر بیٹھی۔

لیکن اب وہ سب کچھ جان چکی تھی سزا پا چکی تھی اب وہ وہی کرنا چاہتی تھی جو اس کی اپنی مرضی تھی۔

"پلیز آویز مرتضیٰ مجھے آپ سے......"

"بیلی!" وہ پلٹ کر آویز کے سامنے کھڑی اپنا مطالبہ کر رہی تھی جب عالیہ بیگم نے ہوش میں آتے ہی اٹھ کر اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا اس کو کچھ کہنے سے روک دیا تھا آویز مرتضیٰ بھی ہوش کی اذیت ناک دنیا میں لوٹ آیا تھا اور پھر وہاں سے چلا گیا۔

"پلیز پھوپھو مجھے اب اور کچھ بھی نہیں۔"

"دیکھو بیٹا تمہاری اس وقت طبیعت ٹھیک نہیں تم ہمارے ساتھ چلو آرام سے بات کریں گے۔ سسرال نہیں پھوپھو کا گھر سمجھ کر چلو۔" عالیہ بیگم اور اسرار مرتضیٰ اس کو زبردستی "مرتضیٰ لاج" لے آئے تھے..... وہ کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

✿ ✿ ✿

"وہ بالکل ٹھیک کہتی ہے غلطی اس کی نہیں لوگوں کی ہے‘ تم خود سوچو اک معصوم بچے کے [illegible] میں الٹی سیدھی باتوں کو بٹھانا کہاں درست ہے۔"

اسرار مرتضیٰ اس کی بے گناہی کا اعتراف کر رہے تھے۔

"ہاں ہم بھی یہی سوچ رہے ہیں آخر ان لوگوں کو —" ثمیر بھی اسی نقطے پہ سوچ رہا تھا۔

"بس بیٹا لوگوں کی جتنی سوچ تھی وہ اسی پہ عمل کر سکتے تھے انہوں نے غلط انداز میں سمجھاتے سمجھاتے اس کو غلط راہ پہ دھکیل دیا اور اس کا معصوم ذہن جو سمجھ سکتا تھا اسی پہ عمل کر بیٹھا۔ اس میں اس کا قصور نہیں ہم لوگوں کا قصور ہے ہم نے اسے بنا سوچے سمجھے بے اعتبار کر دیا۔ ہم لوگ بے وقوف ہوتے ہیں بے جا روک ٹوک سے خود ہی اپنی اولاد کو گمراہ کر دیتے ہیں جو بات ہمارے بچوں کے وہم و گمان میں نہیں ہوتی ہم ان کو وہ بات باور کروانا شروع کر دیتے ہیں اور جب وہ اس بات کو قبول کر لیتے ہیں اس پہ عمل پیرا ہوتے ہیں تو ہمیں برا لگنے لگتا ہے ان پہ غصہ آنے لگتا ہے۔"

اسرار مرتضیٰ متفکر تھے کیونکہ بیلی ابھی بھی علیحدگی کی ضد تھی مگر وہ لوگ اس کی اس ضد پہ پریشان تھے۔ اس کو روکنا چاہتے تھے اور وہ مان نہیں رہی تھی.....

آخر یہ معرکہ اسرار مرتضیٰ اور عالیہ بیگم نے ہی سر کیا۔

"بیٹا ہماری لاج رکھ لو ہم نے ہی یہ رشتہ جوڑا تھا ہم تمہیں یہ رشتہ نبھانے کی التجا کر رہے ہیں اگر [illegible] ہو تو ہم سب کی طرف سے معافی مانگتے ہیں۔" اسرار مرتضیٰ نرمی سے کہہ رہے تھے۔

اور رباب نے تڑپ کر ان کو روک دیا۔

"[illegible] آپ کیا کہہ رہے ہیں پلیز۔" وہ پشیمان لگ رہی تھی۔

"ہاں بیٹا تم درست ہو ہم غلط ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں وہ رشتہ تم نے نادانی میں قائم کیا تھا اسے ختم [illegible] ہم سب نادم ہیں اور معافی چاہتے ہیں تم سب بھول کر ہماری خاطر اپنی زندگی کو ہنسی خوشی نئے سرے سے شروع کرو تاکہ ہمیں بھی خوشی ہو....."

رباب کو اپنے ماموں کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا اپنی ضد چھوڑ دی ہتھیار ڈال دیے تھے اور پھر دونوں گھروں میں شادیوں کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

✿ ✿ ✿
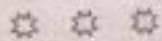
"ارے یہ گانا بند کرو وہ لگاؤ جو اس وقت موقع پہ فٹ ہے!" عمارہ نے رامین اور زرین کو کن انکھیوں سے اشارہ کیا کیونکہ آویز اس وقت "مرتضیٰ لاج" کسی کام کے سلسلے میں آیا ہوا تھا اور رباب زرد سوٹ میں ملبوس ڈرائنگ روم میں خاموش بیٹھی تھی پہلے اس کی رخصتی اور پھر ثمرو کی رخصتی تھی۔ ظہیر اور مبشر سے بات کرتے کرتے آویز کی نگاہ اس پہ اٹھی اور پھر پلٹ نہ سکی۔

آویز کی نگاہوں کے حصار نے رباب کو بھی چونکنے پہ مجبور کر دیا تھا اس نے تیزی سے گردن موڑ کر دیکھا۔ ثمیر‘ ظہیر اور مبشر وہاں سے کھسک چکے تھے۔ آویز اکیلا ہی کھڑا تھا بلیک پینٹ پہ گرے ٹی شرٹ پہنے وہ دسمبر کی سردی سے لاپروا کھڑا تھا۔ ثمرو اور مبشر بیک وقت کھنکارے تو آویز چونکا اور رباب وہاں سے اٹھ کر نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

"یہ تانکا جھانکی کیوں ہو رہی تھی؟ ہمارے گھر میں یہ سب کرنے پہ پابندی ہے۔" مبشر بڑا بزرگ بنا کہہ رہا تھا اور ثمرو مسکراہٹ دبا گئی۔

"اوکے میں چلتا ہوں۔" وہ پلٹ گیا البتہ مبشر کو گھورنا لازمی سمجھا تھا۔

"چاچو میں بھی چلوں گا!" انس نجانے کہاں سے بھاگتا ہوا آیا اور اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔

"یار تیرا چاچو دلہا بننے والا ہے اسے کسی بھتیجے کی خبر نہیں یہ پیار چند دن بعد میں جتا لینا تب تک تیرا چاچو ہوش میں آ چکا ہو گا۔" مبشر نے اس کو اپنی سمت کھینچا۔

"چھوڑو اس نہیں کرو یار لاؤ ادھر۔" آویز نے جھک کر اس کو اٹھا لیا اور پھر اسے لے کر باہر نکل گیا۔

"کیوں کیا خیال ہے بیگم صاحبہ آپ کے بھائی کے رنگ بدلے ہوئے ہیں نا؟" مبشر نے ثمرو کو اشارہ کیا۔

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا کر دوسری طرف مڑ گئی۔ رات کو مایوں اور مہندی کا ہنگامہ تھا ہر طرف بھاگ دوڑ مچی ہوئی تھی، ہر چہرہ جگمگا رہا تھا۔ رباب بہت چپ چپ تھی لیکن کسی نے بھی اس کی چپ کا نوٹس لینا اہم نہیں جانا تھا۔

"مرتضیٰ لاج" سے رخصت ہو کر وہ "رضوی ولا" آئی تو رسموں کا اک طویل دور شروع ہو گیا۔ عائشہ بیگم کا خوشیوں سے دمکتا چہرہ جہاں آرا بیگم کے ارمان حسام رضوی کا مطمئن پر سکون انداز رباب دیکھ رہی تھی۔ پہلو میں بیٹھے آویز مرتضیٰ کو رباب نے یکسر فراموش کر رکھا تھا۔ مکمل اجنبیت کا اظہار تھا اس کے انداز میں اور آویز مرتضیٰ اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

بہت دیر بعد اس نے خود کو پر سکون محسوس کیا کیونکہ اسے بیڈ روم میں پہنچا دیا گیا تھا اور رسموں کا سلسلہ بھی بند ہو گیا تھا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر پھولوں سے سجے بیڈ روم کو دیکھا۔ ڈریسنگ ٹیبل سے لے کر بیڈ اور بیڈ سے دروازے تک پھولوں کی دبیز تہہ تھی اور پھولوں کے انبار نے ماحول کو پر فسوں بنا دیا تھا آہٹ پہ رباب کا دل دھڑک اٹھا۔

دروازہ بند ہونے کے بعد اسے قدموں کی چاپ سنائی نہ دے سکی لیکن پھر بھی ماحول میں ارتعاش ضرور محسوس ہوا تھا۔ وہ اپنا کوٹ ہینگر میں لٹکا رہا تھا۔ گھڑی اتار کر سائڈ ٹیبل پہ رکھ دی اور پھر آگے بڑھتے بڑھتے رک گیا۔ گلاس اٹھا کر جگ سے پانی انڈیلا اور گلاس ہاتھ میں لیے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ رباب نے اپنے پاؤں سمیٹ لیے۔

"شادی مبارک ہو!" وہ آہستگی سے بھاری آواز میں مدت بعد بلی سے مخاطب ہوا اس نے جھکی نگاہیں اٹھا کر یکدم اسے دیکھا۔۔۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"کیوں مبارک پہ بھی کوئی اعتراض ہے؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ اس کا پارہ ہائی ہو گیا۔

"آپ کو پتا چل گیا؟" اس کا لہجہ سخت تھا۔

"ہاں کہ تمہیں تمہاری شادی مبارک ہو۔" اس نے ...

"فار یور کائنڈ انفارمیشن، میں اس شادی پہ خوش نہیں ہوں۔" وہ الفاظ چبا کر بولی۔

"اینڈ فار یور کائنڈ انفارمیشن میں اس شادی پہ بہت خوش ہوں۔" وہ اپنے الفاظ پہ زور دے کر بولا تو اس نے چونک کر آویز کو دیکھا۔ اس کے چہرے پہ دبی دبی مسکراہٹ کا عکس لہرا رہا تھا۔

"مسٹر آویز مرتضیٰ! میں مذاق نہیں کر رہی آپ سے شادی میری نادانی میری بھول تھی!" وہ دلہن بنی اس کے سامنے بیٹھی غصے میں تلملا رہی تھی۔

"مسز آویز مرتضیٰ! میں بھی مذاق نہیں کر رہا۔ آپ کی نادانی آپ کی بھول ہماری زندگی ہے اور ہم اپنی زندگی سے منہ نہیں موڑ سکتے، سچ ہے کہ آپ کے بغیر زندگی کا تصور سوہان روح ہے۔" آویز کی باتیں اسے بہکی بہکی لگ رہی تھیں۔ وہ الجھ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" آویز نے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھام لیا اور بلی اس کی لو دیتی گرفت سے خائف ہو گئی۔

"مجھے ہاتھ مت لگائیں۔"

"اچھا تو پھر کس کو لگاؤں؟" وہ قہقہہ لگاتے ہوئے شرارت سے بولا تو بلی بھڑک اٹھی۔

"شٹ اپ۔ یہ سب نہ تو مذاق ہے اور نہ ہی کھیل آپ کو طنز کرنے کا کوئی حق نہیں۔" وہ سنجیدہ تھی۔ آویز بھی سنبھل گیا۔

"یار کون مذاق کر رہا ہے، کون طنز کر رہا ہے میں سمجھ نہیں پا رہا؟"

"آپ کر رہے ہیں۔ آپ صرف آپ!" وہ پھر بولی آنسو بے اختیار بہ نکلے۔

"یہ لو پانی پی لو میں پہلے ہی انتظام کر کے بیٹھا ہوں۔" آویز کی بات پر اس نے توجہ نہیں دی۔ اسی طرح روتی رہی۔

"کچھ تو احساس کر لو میں تمہارا شوہر ہوں۔" وہ اس کا حصار پا کر بے اختیار ہو گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"آئیم سوری رباب! میں سب کچھ اچھی طرح جانتا ہوں اور سمجھتا بھی ہوں تم ٹھیک تھیں لیکن بلی تمہارا

غصہ بھی بجا تھا کیونکہ تمہارا فیصلہ میرے کردار کو مشکوک کر رہا تھا۔ سب کی نظروں میں میں مجرم بن رہا تھا لوگ مجھے بھی تمہارے ساتھ اس فیصلے میں ملوث کر رہے تھے اور میں بے قصور ہو کر بھی قصوروار بن گیا۔ میری شرمندگی میرا غصہ بن گئی کیونکہ سب کچھ اچانک ہوا تھا اور پھر تم سے دور جا کر مجھے احساس ہوا کہ ہم حقیقتاً" اک دوسرے سے دور نہیں رہ سکتے اور ہم کبھی نفرت بھی نہیں کر سکتے۔ ہم میں شروع سے محبت کا رشتہ تھا اور وہی رشتہ مجھے تمہاری طرف مائل کرنے لگا اور میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں، جس نے میری کزن کو بروقت میری بیوی بنا کر مجھے باندھ دیا ورنہ اتنی خوب صورت حسینہ میری بانہوں میں منہ چھپائے بھلا کب رہ سکتی تھی۔" بات کرتے کرتے اس نے سرگوشی کی تو بلی کو اس کے حصار کا احساس ہو گیا۔ وہ کانوں کی لو تک سرخ پڑ گئی اور اس سے الگ ہونے لگی۔

"تم جانتی بھی ہو اب تمہاری تمام کوششیں بے سود ہیں۔"

"پلیز!" بلی کی پلکیں جھک گئیں۔ آواز لرز رہی تھی۔

"تم نے چند روز پہلے سب کی غلطیوں کا اعتراف کیا تھا۔ اپنی غلطی کا اعتراف کیوں نہیں کیا؟" اس نے سوالیہ نظروں سے آویز کی اور دیکھا۔

"کہ تم نے بھی محبت کرنے کی گستاخی کی تھی اور پھر مجھے بھی مجبور کر دیا۔" وہ شریر ہو رہا تھا۔ بلی کو اس کے انداز اور نگاہوں سے خوف آ رہا تھا۔

"بہت دلکش لگ رہی ہو۔" رونمائی کا تحفہ دیتے ہوئے اس کا لہجہ مخمور ہوا تو وہ اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا گئی لیکن اب وہ خود اس سے چھپ نہیں سکتی تھی فرار کے راستے بند تھے۔

صبح صبح ہی لڑکے آویز کو لینے پہنچ گئے اور مجبوراً" وہ لیڈ میں گر تا رتا شاور لے کر چلا گیا تھا اور بعد میں لڑکیاں اس کے گرد ہو گئیں کچھ دیر بعد نمو کی رخصتی کے لیے تیاریاں ہونے لگی تھیں۔۔۔

بلی نمو کے کمرے سے شمو کے ساتھ نکل رہی تھیں جب عائشہ بیگم سے سامنا ہو گیا بلی ماں کو روبرو دیکھ کر ٹھٹک چکی تھی۔

"سوری مام!" اس نے ماں کے بے اختیار ہاتھ تھام لیے اور عائشہ بیگم نے بھی بیٹی کو بانہوں میں بھینچ لیا۔

"میری جان! میں خود پشیمان ہوں میری غلطی تھی غصے میں تجھے فراموش کر بیٹھی اپنی بیٹی کو رلاتی رہی۔" دونوں ماں بیٹی رو رہی تھیں۔ آویز نے آکر ان کو الگ کیا۔ اس نے عائشہ بیگم کے آنسو پونچھے۔ بلی سر جھکائے اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔ آویز نے عائشہ بیگم کے کندھوں کے گرد بازو پھیلا کر اشارہ کیا۔

"ممامیں نے آپ سے کہا تھا نا کہ اگر یہ بگڑ گئی تو سنوار بھی میں ہی لوں گا" جو بگاڑنا جانتے ہیں وہ سنوارنا بھی جانتے ہیں۔۔۔" اس کی بات پہ وہ مسکرا دیں۔

"اوکے مام! آپ جلدی سے نمو کو روم سے نکالیں' بارات میرج ہال میں پہنچنے ہی والی ہے ہم بھی تیار ہو کر آ رہے ہیں۔" وہ تیزی سے کہتا رباب کو ساتھ لیے پلٹ گیا۔ عائشہ بیگم ہنستی ہوئیں اندر چلی گئیں۔

"پلیز کیا کر رہے ہیں، پاگل ہو گئے ہیں آپ؟" بلی اسے دروازہ بند کرتے دیکھ کر خفگی کا اظہار کرنے لگی۔

"ہیپی نیو ایئر۔۔۔" آویز نے مسکرا کر کیک اور گفٹ اس کے سامنے کر دیا۔

آج یکم جنوری تھی۔ نیا سال شروع ہو رہا تھا اور شادی کے ہنگاموں میں کسی کو بھی اک دوسرے کو وش کرنے کا خیال ہی نہیں تھا۔ رباب نئی زندگی کی شروعات نئے سال کے سنگ دیکھ کر مسکرا اٹھی۔

"آپ کو بھی نیا سال مبارک ہو!" وہ گجرے سے ایک گلاب نکال کر آویز کی سمت بڑھاتے ہوئے بولی۔

"ساتھ میں کچھ اور بھی ہونا چاہیے نا؟" وہ شرارت سے دیکھ رہا تھا بلی یکدم پلٹ کر پیچھے بھاگی اور آویز نے لپک کر اس کو تھام لیا۔ بے اختیار ہی دونوں کے قہقہے گونج اٹھے۔ سچی خوشیوں کا خمار ان کی ہنسی ان کی شرارتوں میں اتر رہا تھا۔ نیا سال ان کے لیے خوشیاں اور بہاریں لے کر آیا تھا۔